رفیقِ نبوت

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ثانی اثنین اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

صدر مرکز تحقیق فیصل آباد

مکتبہ جمال کرم لاہور

رفیقِ نبوت
حضرت سیدنا
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
صدر مرکز تحقیق فیصل آباد
مکتبہ جمال کرم
9- مرکز الاویس (سنتا ہوٹل) دربار مارکیٹ ○ لاہور 7324948

نام کتاب .... رفیق نبوت، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مؤلف .... پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

تعداد .... گیارہ سو

سن اشاعت .... جولائی 2007ء

صفحات 96

زیر اہتمام .... ایم احسان الحق صدیقی

ناشر .... مکتبہ جمال کرم لاہور

قیمت .... 75 روپے

Marfat.com

فہرست

ooo

انتساب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی
ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے
نام، جن کے امتِ مرحومہ پر ان گنت احسان ہیں

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن خوش خصال اور بلند اقبال انسانوں میں ممتاز حیثیت کے حامل رہے جن کی ذات دینِ رحمت کے ظہور کی فجر کے ساتھ ہی اطاعت شعاروں اور وفا کیشوں کی توجہ کا مرکز رہی ہے، اس لئے کہ آپ کا وجود اپنے کرداری رویوں میں ہمہ جہت بھی تھا اور ہمہ خیر بھی، تاریخ انسانیت کا کوئی سنجیدہ قاری آپ کی استقامت، حوصلہ مندی اور نبوی مشن سے پرخلوص گرویدگی سے صرف نظر نہیں کرسکتا، عرب کے بدوی ماحول اور قبائل عرب کی باہمی چپقلش کے ناآسودہ ماحول میں سیرت وکردار کی الہامی پیمانوں کے مطابق تشکیل آسان کام نہ تھا، جاہلی غرور میں ڈوبا ہوا عرب معاشرہ، تہذیب نفس کی کسی آواز پر لبیک کہنے کو تیار نہ تھا، ایسے تہہ درتہہ اندھیروں میں نورِ نبوت ہویدا ہوا تو اکثر آنکھیں چندھیا گئیں، نظر نوازی کا حوصلہ باید وشاید تھا مگر جس وجود محترم نے اپنی فطری راہ یابی کی توفیق پاکر درِ صداقت پر سب سے پہلے گردن جھکائی اور تصدیق صدق کی رفعت پائی وہ رفیق نبوت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے، نہ دلیل طلب کی نہ معجزہ چاہا بلکہ کلمۂ حق کو اس حق شناس وجود نے ادا ہوتے ہی پہچان لیا، مکہ مکرمہ کے تیرہ سال امتحان کا دورانیہ تھے، غرور وتکبر کا رد عجز وانکساری سے، قبائلی تعصب کا بطلان انسانی رویوں سے اور تند وتیز مخالفت کا جواب پروقار استقامت سے، ظلم جتنا بڑھا حلم اُسی قدر پروان چڑھا، ایذا رسانی کی جتنی شدت ہوئی قوت برداشت اُسی قدر حوصلہ مند ہوئی، مکہ مکرمہ کے کوچہ و بازار گواہ ہیں کہ کون حفاظتِ ذاتِ نبوت اور دفاعِ دینِ رسالت کا فریضہ ادا کرتا رہا، مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ایک انقلابی اقدام تھا کہ ایک اسلامی ریاست سراپا انتظار تھی، اس سفر عروج میں ہم سفری کا شرف کسے حاصل ہوا یہ تاریخ اسلام کا درخشندہ باب ہے، غارِ ثور ثانی اثنین کی منزلت کی آج تک

گواہ ہے، قیام غار کا ہر لمحہ رفاقت و محبت کا ایک زندہ استعارہ ہے۔

مدینہ منورہ میں دس سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تدبر، مشاورت اور قرب کے وہ حوالے ہیں جن کے نقوش تاریخ عزیمت کے اوراق پر جگمگاتے رہیں گے مگر وہ لمحہ کس قدر روح فرسا تھا جب قرب ظاہری میں وقتی انقطاع بے خود کر رہا تھا، صحابہ کرام علیہم الرضوان پر اس لمحۂ گریز سے لرزہ طاری تھا، فراق کا کرب سب کو بے چین کر رہا تھا، احتیاط کا دامن چھوٹ رہا تھا، مستقبل کی بے یقینی مضطرب کر رہی تھی، محبت کے امڈے ہوئے جذبات اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہو رہے تھے، ایسے ہی لمحات، تاریخ کے فیصلہ کن لمحات کہلاتے ہیں اور ایسے ہی مواقع شخصیتوں کے حسن استقلال کے شاہد قرار پاتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تو سارا وجود محبت کے خمیر میں گوندھا ہوا تھا، آپ پر تو ہر لمحہ برق آسا گرنا چاہیئے تھا مگر ایسا نہ ہوا کہ محبتوں کو وقار وقتی جذبوں سے نہیں دائمی شعور سے حاصل ہوتا ہے "مَامُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل" کا اعلان تلاوت آیات کا لمحہ ہی نہ تھا، دین توحید کے دوام کا مرحلہ بھی تھا، خلافت کی ذمہ داری کا بوجھ آسان کام نہ تھا عہد رسالت کے احکام کو اپنی اصل صورت میں جاری رکھنے کا مشکل تر پیمان تھا۔

نوخیز اسلامی ریاست کا انتظام و انصرام، عزم صدیقی کا طلب گار تھا، ہر طرف ایک انتشار جنم لے رہا تھا۔ مفادات کے اسیر قبائل خودسر ہو رہے تھے، چند جاہ پسند سردار اپنی سرفرازی کے خواب دیکھ رہے تھے اور مرکز گریز علاقے مرکزیت مدینہ منورہ سے بغاوت کرنے لگے تھے، جاہلی معاشرت کے انا پرست رویے پھر سے تازہ ہونے لگے تھے، غرضیکہ ایک ہنگام بپا تھا، یہ شورش، اور یہ خودسری خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے لئے امتحان تھا مگر تاریخ شاہد ہے کہ آپ صدق و وفا کے سایوں میں ان سب مشکل مراحل سے بخیریت گزر گئے اور خلافت علی منہاج النبوت

قائم کرنے میں کامیاب رہے، وفات کے لمحوں میں کس درجہ محترم تھے اس کا اندازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان زریں کلمات سے لگایئے، فرماتے ہیں:

''اے ابوبکر! اللہ تم پر رحم کرے، واللہ تم پہلے آدمی تھے جس نے رسول ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا، ایمان واخلاص میں تمہارا ہم پایہ کوئی نہ تھا، خلوص و محبت میں تم سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اخلاق، قربانی، ایثار اور بزرگی میں تمہارا ثانی کوئی نہ تھا، اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت تم نے کی اور رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں جس طرح ثابت قدم رہے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی تمہیں دے گا...... اگرچہ تم جسمانی لحاظ سے کمزور تھے لیکن دینی لحاظ سے جو قوت تمہیں حاصل تھی اس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں کر سکتا، تم اپنے آپ کو بندۂ پر تقصیر سمجھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا مرتبہ بے حد بلند تھا''۔

رفیق بک العظم کا یہ قول محمد حسین ہیکل نے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں

''ہم بلاخوف تردید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وجود نہ ہوتا تو تاریخ اسلام کا دھارا کسی اور ہی طرف مڑا ہوا ہوتا، جب آپ نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو تمام مسلمانوں کے دلوں پر خوف و خطر طاری اور مایوسی و بددلی محیط تھی لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حیرت انگیز اولوالعزی سے تمام فتنوں اور شورشوں کا قلع قمع کر ڈالا اور اسلام کا قافلہ شان وشوکت سے دوبارہ اپنے راستے پر گامزن ہو گیا۔

حضرت داتا گنج بخش علی الہجویری علیہ الرحمۃ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حضور خراج محبت پیش کرتے ہوئے ایک صوفیانہ حکمت کا ذکر کیا ہے آپ نے ایک شعر نقل کیا جس کا ترجمہ ہے۔

"بے شک صفاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صفت ہے،
اگر تم صوفی بننا چاہتے ہو تو اُس راستے کو اختیار کرو جس پر آپ
چلے تھے"۔

پھر فرماتے ہیں، صفائے باطن کے لئے کچھ اصول اور فروع ہیں ایک اصل تو یہ ہے کہ دل کو غیر سے خالی کرے اور فرع یہ ہے کہ مکروفریب سے بھرپور دنیا سے دل کو خالی کر دے، یہ دونوں صفتیں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہیں اس لئے آپ طریقت کے راہنماؤں کے امام ہیں، آپ کا قلب مبارک اغیار سے خالی تھا۔

تاریخ کا طالب علم ہو یا شریعت کا، علم معاشرت کا قاری ہو یا علم تصوف کا، سب کے ہاں اولیت آپ ہی کو حاصل رہی، اس قدر ہمہ صفات وجود پر، بہت سے مورخین و محققین نے قلم اٹھایا ہے، یہ مختصر مقالہ تو صرف اظہار عقیدت ہے، اس لئے اس میں سوانحی احوال کو موضوع نہیں بنایا گیا اور نہ ہی عسکری کارناموں کا تذکرہ کیا گیا صرف یہ کوشش کی گئی ہے کہ مستند روایات کی روشنی میں آپ کی شخصیت کا اس طرح جائزہ لیا جائے کہ قارئین کرام تک وہ روشنی پہنچ جائے جو آپ کے وجود منور سے آج تک ہویدا ہو رہی ہے اور ہر آنے والے دور میں بھی راست روی اور صداقت شعاری کا معیار قرار پائے گی۔

اللہ تعالیٰ نورِ نبوت سے مستنیر ہونے والے اصحاب ایقان سے گرویدگی کا ذوق عطا فرمائے آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

رفیق نبوت...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

انسان کا معاشرتی رویہ انسانی وجود کا سب سے بڑا مظہر ہوتا ہے، نیک نفس اور سلیم الفطرت وجود کا اپنے اطراف وجوانب میں اظہار ہی اس کے کردار کا حوالہ بنتا ہے، نیکی خمیر میں شامل ہو تو ہر رابطے اور ہر لاحقے میں نیکیوں کی نمود ہوتی ہے، اس سے ایک ایسی شخصیت نمودار ہوتی ہے جس کے ہر قول اور ہر عمل سے خیر کی افزائش کا ظہور ہوتا ہے۔ بدفطرتی اپنا تعفن چھپانے کی ہزار کوشش کرے اس کی بدبو معاشرے کو ضرور متاثر کرتی ہے۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ جب بھی صداقتوں کی مہک پھیلی، دو طرح کے گروہ سامنے آئے ایک وہ جو صداقت کی آگہی سے محروم رہے اور اپنی اس محرومی کو صداقتوں کی تکذیب کی صورت میں چھپاتے رہے، یہ لوگ بے بصری، بے خبری اور بے بصیرتی کے گرداب سے کبھی نہ نکل سکے، ایسے ہی لوگ راندۂ درگاہ حق ہوئے اور ظلمتوں کے اسیر ہو کر دائمی عذاب کے مستحق بنے۔ ان کے مقابل وہ نیک سرشت افراد جن کے ضمیر نور صداقت سے منور رہے وہ صداقتوں کے امین اور راستیوں کے کفیل بنے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ایسے صداقت آشنا افراد کے امام ہیں۔ قرآن مجید نے ان دونوں گروہوں کا ذکر یوں کیا ہے۔

﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ٥ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ٥ ﴾

(الزمر ۳۲ تا ۳۴)

ترجمہ: ''پس اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور صداقت کو جھٹلاتا ہے جب وہ اس کے پاس آتی ہے، کیا کافروں کے لئے جہنم میں ٹھکانہ نہیں ہے؟ اور وہ جو صداقت لے کر آیا اور وہ جس نے اس کی تصدیق کی، وہی تو متقی ہیں۔ اُن کے لئے اُن کے رب کے ہاں وہ سب کچھ ہے جس کی وہ خواہش رکھتے ہیں، یہ حسن عمل کرنے والوں کی جزاء ہے''۔

''کَذَّبَ بِالصِّدْقِ ''اور''صَدَّقَ بِهٖ '' کے زیرِ عنوان دو گروہ ہمیشہ سے انسانی معاشرت کا حصہ رہے ہیں۔ تاریخ عالم کے جھروکوں میں ان گروہوں کی دریافت اور شناخت بڑی آسانی سے کی جا سکتی ہے، نبی اکرم ﷺ کے اعلان نبوت کے آغاز ہی میں ان گروہوں کی تشکیل ہوگئی تھی، ایک گروہ جو صداقت آشنا بھی تھا اور صداقت کو تسلیم کرانے کی جدوجہد میں شریک بھی تھا اس کے امام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قرار پائے تھے اور دوسرا گروہ جو ظلمتوں کا رکھوالا اور تاریکیوں کا مبلغ تھا اس کی سربراہی ابوجہل جیسے لوگوں کا مقدر بنی تھی۔ باہمی کشمکش اور حق و باطل کی یہ ستیزہ کاری تاریخ کے طالب علم سے مخفی نہیں۔ صدیقین کے امام کی اشاعتِ صدق میں تگ و دو ایک محاذ پر نہ تھی بلکہ ہر اس محاذ پر رہی جس میں نور و ظلمت کا ٹکراؤ ہوا۔ یہ اعزاز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی شخصی وجاہت، خاندانی شرافت، معاشرتی سربلندی، معاشی خوشحالی، باطن کی طہارت اور ظاہر کی پاکیزگی اور سب سے بڑھ کر صداقت آشنائی میں سبقت اور وجود صادق ﷺ کی ہمہ جہت رفاقت سے حاصل ہوا۔ نور سحر ہویدا ہو ہی رہا تھا کہ صدق بصارت سے مستنیر وجود نے اسے نور نظر بنا لیا اور

الفضل للمتقدم کے شرف سے فیض یاب ہونے کی سعادت پائی، آیئے اس وجود مکرم کا ذکر کریں جو قبولِ حق میں اولین مقام کا حامل ٹھہرا۔

عبدیت کی سرافرازیوں پر متمکن ہونے والا وجود، عبداللہ نام سے معروف ہوا اور منبع صدق وصفا، پیکر نور وضیاء وجود کو پہلی نظر میں پہچان لینے کی بنا پر ابوبکر کہلایا، ابوقحافہ عثمان کا لخت جگر اور ابوالخیر سلمٰی کا نور نظر، کاروان ایمان ویقین کا سربراہ ٹھہرا۔ خلوص ومحبت کا پیکر عظیم کامرانیوں کی اس بلندی کا اہل ثابت ہوا کہ روز حساب سے پہلے ہی ''عتیق'' یعنی دوزخ سے آزاد کے لقب سے سرافراز ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:۔

﴿اَنَّ اَبَابکرٍ دَخلَ علٰی رَسُوْلِ اللہ صَلّٰی اللہُ عَلَیْہِ والِہٖ وَسلَّمَ فَقَالَ: اَنْتَ عَتِیْقُ اللہِ مِنَ النَّارِ فَیَوْمَئِذٍ سُمِیَ عَتِیْقًا﴾ (جامع الترمذی باب مناقب اَبی بکر رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوزخ سے آزاد کیا ہوا ہے پس اس روز سے آپ کو عتیق کہا گیا''۔

پھر تو القاب آپ پر نثار ہوتے چلے گئے، خلیل اللہ کا لقب ملا کہ خود منعم صادق علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا:

﴿اَلا وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللہِ﴾

(جامع الترمذی باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ: ''خبردار اور بے شک تمہارا ساتھی خلیل اللہ ہے''۔

معراج کے غیر مشاہد سفر کی بلا توقف تصدیق کرنے پر 'صدیق' کا لقب عطا ہوا۔

سابق الاسلام ہونے کی بار بار تائید ہوئی کہ یہ شرف معمولی شرف نہ تھا، ظلمت کدہ میں نور کی پہلی کرن نمودار ہوئی تھی، انسان عموماً آنکھ جھپک لیا کرتے ہیں، ایک نئے اعلان کو اس قدر جلد تسلیم کر لینا کہ کوئی مثال بھی سامنے نہ ہو اور یہ کہ اس تسلیم کو پورے ماحول کے ردعمل کا خطرہ بھی ہو، خاندانی وقار، مالی عظمت، معاشرتی رتبہ حتیٰ کہ جان و عزت، خطرے کی زد پر ہو تو پیش قدمی مشکل ہوتی ہے، ہزار مرتبہ وسوسوں کا گھیرا توڑنا پڑتا ہے۔ پھر یہ کہ اقرار کے لئے پیشگی غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے مگر جس کا وجود ہر لمحہ صداقتوں کا متلاشی رہا ہو اس کے لئے مصلحت کے دائرے اور تعقل و تفکر کی زنجیریں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اندر کا ایقان، لمحے ضائع کرنے نہیں دیتا، یہ اسی ایقان کا کرشمہ تھا کہ اعلان کے کلمات گوش حق نیوش میں اترے ہی تھے کہ آمَنَّا وَصَدَّقْنَا کی مہکار نے چوگردہ روشن کر دیا، روایات میں اس نورشناسی کی حکایت کا جائزہ لیجئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

﴿رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَمَامَعَهُ إِلَّا خَمْسَةُ أَعْبُدٍ وَامْرَأَتَانِ وَأَبُوْبَكْرٍ﴾

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور آپ کے ساتھ پانچ غلاموں، دو عورتوں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہ تھا''

یہ پانچ غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد تھے، دو عورتیں یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان میں آزاد مرد اور قریش کے سربرآوردہ فرد صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کو اسلام قبول کرنے سے پہلے سے ہی عرب معاشرت میں نمایاں حیثیت حاصل تھی:۔

لائق احترام وجود

مکہ مکرمہ اگرچہ جزیرہ نمائے عرب میں مرکزی مقام تھا کہ علم و ادب کی مجلسیں بھی یہیں سجتی تھیں، تجارت کے باہمی رابطے بھی اسی کے میدانوں میں ہوتے تھے اور مذہبی شعار کا مرکز بھی یہی تھا مگر اس قدر منزلتوں کے باوجود اس شہر میں اسلام کی آمد کے موقعہ پر صرف سترہ افراد ایسے تھے جو لکھے پڑھے کہے جا سکتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، ان میں سے ایک تھے، علمی وقار کے ساتھ آپ کو مجلسی و معاشرتی عظمت بھی حاصل تھی کہ عرب ماحول میں باہمی جدال کا فیصلہ آپ کے خاندان کے سپرد تھا، خوں بہا کا تعین کرنا، تاوان کی مقدار مقرر کرنا آپ کے گھرانے کا شرف تھا اور آپ اُس فیصلہ کرنے والے گھرانے کے سربراہ تھے۔ تجارت جو عربوں کی معیشت کی اساس تھی اُس میں آپ کو نمایاں تر مقام حاصل تھا، کپڑے کے لائق احترام تاجر تھے اور تاجران عرب میں ملک التجار تسلیم کئے جاتے تھے، عرب کا ماحول ان تمام آلائشوں سے ملوث تھا جو ایک جاہلی معاشرے کی شناخت ہوتی ہیں، میکدے سجتے تھے شراب کے خم لنڈھائے جاتے تھے اور شراب خوری کو وجۂ فخر گردانا جاتا تھا مگر اس مخمور دور میں بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شراب کے قریب تک نہ گئے آپ کی فطرت سلیم کا فیصلہ تھا کہ اس سے عقل و خرد کا جوہر چھن جاتا ہے اور آپ چند لمحوں کے لئے سہی، اپنی فراست سے دست بردار ہونا پسند نہ کرتے تھے، بڑے خاندان کا سربراہ،، ملک التجار اور قوت نافذہ کا حامل منصف، قوت و استطاعت کے

باوجود پاک دامن رہے، صاحب عزیمت قرار پائے اور تمام مروج آلودگیوں سے بچا رہے تو یقین ہونے لگتا ہے کہ یہ بے غبار وجود نور ایمان کو پہچاننے میں دیر نہ کرے گا اور ایسا ہی ہوا، اعلان نبوت پر نہ کوئی دلیل طلب کی، نہ کسی سے مشورہ کیا اور نہ تسلیم و رضا کی دہلیز تک پہنچنے میں کسی رد و قدح کا شکار ہوئے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ "ثانی اثنین" کا مقام اُنہیں روز اول سے ہی حاصل ہو گیا تھا، آپ کے کردار و عمل نے ہر لمحہ اس لقب کے مستحق ہونے کا ثبوت فراہم کیا، اسلام میں داخل ہوتے ہی نبی اکرم ﷺ کے مشن کے ساتھی اور راہ حق کی تب و تاب کے ہمراہی بن گئے۔ اشاعت اسلام کا وہ مرحلہ مشکل بھی تھا اور پرخطر بھی مگر صداقتوں پر یقین قدم قدم پر راہنما رہا۔ معاشرتی سربلندی کے باوجود کفر کا اندھا پن اس پیکر یقین کو برداشت نہ کر رہا تھا اس لئے درپے آزار ہوا مگر بلند حوصلہ وجود کسی مزاحمت کو خاطر میں نہ لایا اور تبلیغ دین کا مشن پوری قوت اور بھرپور کاوشوں کے ساتھ جاری رہا۔

تبلیغی جدوجہد

اہل مکہ نے نور حق کو اپنے رویوں کی آلودگیوں سے روکنے کی ہزار کوشش کی مگر یہ قافلۂ نور و نکہت رواں دواں ہی رہا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مسلسل جدوجہد اور ہمہ جہت مساعی جلد ہی رنگ لائیں اور عرب معاشرے کے کئی نمایاں افراد دامن اسلام میں آ گئے، یہ آپ کی محنت کا خلوص تھا یا آنے والوں کے ذوق یقین کا ثمر، کہ جو آیا محفل رشد و ہدایت کا ستارا قرار پایا، عشرہ مبشرہ وہ برگزیدہ دس اصحاب عظمت ہیں جن کے اعمال کو نبوی نطق کی تائید حاصل ہوئی اور وہ حساب کے عمل سے گزرنے سے پہلے ہی اہل جنت شمار کر لئے گئے۔ ان عشرہ مبشرہ میں

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو شامل ہی تھے بلکہ ان نفوس قدسیہ کے سرخیل تھے لیکن ایک اور اعزاز جو آپ کو حاصل رہا یہ تھا کہ ان باقی نو افراد میں سے پانچ آپ کی کاوشوں اور آپ کی تحریک سے اسلام لائے۔ ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جیسے اکابرامت شامل ہیں، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ، اور ان کے علاوہ متعدد افراد بھی آپ کی ترغیب و تبلیغ سے مسلمان ہوئے، غلاموں اور کنیزوں کے حوالے سے آپ کی محنت اور آپ کا سرمایہ کس قدر بار آور ہوا اس کا اندازہ ان افراد کے ناموں سے ہو جائے گا جو دنیائے اسلام کے تابندہ ستارے شمار کئے گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ، جیسے غلام جو مکہ مکرمہ کی فضاؤں میں ہر قسم کے ظلم و ستم کے سزاوار سمجھے گئے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مساعی جمیلہ اور زر خالص کی فیض رسانیوں سے دائرہ اسلام میں بھی آئے اور غلامی کی نحوست سے رہا ہو کر آزادی کی نعمت سے بھی سرشار ہوئے، یہ تو مرد تھے کنیز عورتوں کی زندگی تو مسلسل عذاب تھی، شانِ صدیقیت کے مظہر کامل نے ان کی اسیری اور درماندگی کو آزادی اور سرافرازی سے بدل دیا، حضرت لبینہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا، حضرت حمامیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا اور ان کی صاحبزادی حضرت نہدیہ رضی اللہ عنہا بھی دولت ایمان اور وقار حریت سے آشنا ہوئیں۔

نبی اکرم ﷺ کے نبوی مشن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر لحہ اس طرح ساتھ رہے کہ رفاقت کا وقار قرار پائے۔ مکہ مکرمہ کی فضا سازگار نہ تھی، ہر قدم پر کانٹے

تھے، پتھر تھے، اس فضا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ساتھ کس قدر اطمینان بخش تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے۔ روایت ہے کہ ایک بد باطن دشمن عُقبہ بن مُعیط نے نبی رحمت ﷺ کے گلے میں اپنی چادر ڈال کر اس قدر مروڑا کہ نشان پڑ گئے۔ یہ جبر ہو رہا تھا کہ محافظِ رسالت ہونے کا اعزاز پانے والے رفیق نبوت تشریف لے آئے، آگے بڑھے دشمنوں کو قوت ایمانی سے پیچھے دھکیلا اور رسول اللہ ﷺ کو حصار دشمناں سے نکال لائے، اہل کفر کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا يَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ﴾ (صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ: ''کیا تم ایسے انسان کو مارنے کے درپے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لے کر آیا ہوں۔''

یہی وہ جانفشانی اور جاں سپاری تھی جس کی بنیاد پر لوگ آپ کو اشجع الناس کہنے لگے تھے، اس افضلیت کا ذکر خود نبی اکرم ﷺ نے اس وقت فرمایا جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مابین کچھ رنجش ہو گئی اور اس کا تذکرہ دربار رسالت میں ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا:۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ اِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ صَدَقَ وَوَاسَانِیْ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَهَلْ اَنْتُمْ تَارِكُوْالِیْ صَاحِبِیْ ﴾ (صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری جانب بھیجا تو تم نے کہا

آپ جھوٹ بول رہے ہیں اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا
آپ سچ کہہ رہے ہیں اور آپ نے اپنی جاں اور اپنے مال سے
میری غم خواری کی، کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو چھوڑ نہیں
دیتے کہ ان پر کوئی الزام یا شکایت نہ لگاؤ''

میری خاطر کہہ کر ہر اس انسان کو متنبہ کر دیا جس کی زبان سے شان صدیقیت میں کوئی نا گوار کلمہ نکلنے کا خطرہ ہو۔

رفاقت و مصاحبت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یوں تو اعلان رسالت سے قبل بھی نبی اکرم ﷺ کے بہت قریب تھے، کردار و سیرت میں جو ہم آہنگی ان کے ہاں نظر آتی ہے وہ نہ صرف یہ کہ مثالی ہے بلکہ چشم کشا بھی ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد تو رفاقت کا وہ معیار قائم ہوا کہ موت جو فراق کا سب سے بڑا استعارہ ہے، بھی جدا نہ کر سکی۔ مکی زندگی میں سایہ کی طرح ساتھ رہے اور دفاع رسول ﷺ کا منصب سنبھالے رکھا، ہجرت حبشہ کی اجازت ملی تو حالات کی ستم رانیوں کے باوجود راستے سے ہی واپس آ گئے، ہجرت مدینہ کی منزل آئی تو بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی کثیر تعداد کی ہجرت کے باوجود فرمان نبوی ﷺ کے منتظر رہے، آخر وہ سعید لمحہ آیا کہ رفاقت رسول ﷺ کی ایک اور منزل طے کرنے کا اعزاز ملا۔ اہل مکہ اسلام کی قوت اور مدینہ منورہ کی محفوظ بستی میں ہجرت کے حوالے سے بہت سیخ پا ہو گئے تھے، مخالفت کا ہر حربہ آزمانے کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ پر یک بارگی حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا جائے، اس کے لئے قبائل سے افراد کا انتخاب ہوا تھا تا کہ اس عمل میں سب قبائل شریک ہو جائیں

کہ بنو ہاشم کو انتقام لینے کا حوصلہ نہ ہوگا۔ پروگرام کے مطابق کاشانہ نبوت کا محاصرہ کر لیا گیا، یہ مکہ کی تاریخ کا ایک انوکھا منظر تھا کہ جذبات ابل ابل پڑے تھے مگر اپنے خالق کا فرستادہ نبی کسی اضطراب کا شکار نہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امانتیں تفویض کر کے آپ ﷺ گھر سے روانہ ہوئے، مورچہ بند مکی جوان ہمہ چشم تھے مگر باطل کو حق کیسے نظر آ سکتا تھا، اندھیروں کی قسمت میں اجالوں کی زیارت کہاں ہوتی ہے۔ یہ سفر تو کاشانہ نبوی سے کاشانہ صدیق کے لئے تھا، راستے میں کون حائل ہوسکتا تھا، رفیق سفر کا اعزاز پانے کے لئے بے قرار وجود سراپا انتظار تھا۔ کس قدر خوش تھا وہ گھرانہ جس کے دروازے پر عالمین کا امام (ﷺ) دستک دے رہا تھا، آج وہ لمحہ تھا کہ مجسم صدق وجود سامنے ہے اور ہمہ تن تصدیق کرنے والا وجود استقبال کر رہا ہے، قرآن کا فرمان ''وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ'' (اور وہ جو سراپا صدق بن کر آیا اور جو صداقت کی تصدیق کر رہا تھا) کا منظر آج چشم فلک نے کس اشتیاق سے دیکھا ہوگا۔ اس کا بیان ہم جیسے ژولیدہ بیان انسانوں سے کب ممکن ہے؟ عرض کیا اجازت مل گئی؟ ارشاد ہوا ہاں اور تم ساتھ چلو گے، یہ نوید جانفزا، روح میں پیوست ہوگئی، تیار تو پہلے ہی تھے کہ اپنے بخت ہمایوں پر پہلے ہی یقین تھا مگر لب رسالت نے وجدان کے چراغ روشن کر دیئے۔ لمحہ لمحہ شمار کرنے لگے، رخت سفر باندھا، صاحبزادی نے آغوش صداقت کا علم اور بلند کر دیا، اوڑھنی پھاڑ ڈالی کہ پیکر حیا کے لئے سامان سفر باندھنا تھا، یہ مختصر سا قافلہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا، قدسیوں کے ہاں مدینہ منورہ کی قسمت پر حیرت تھی، یہ کیا انقلاب تھا کہ ایک وجود یثرب کو مدینہ منورہ بنانے آ رہا تھا، سنگ ریزوں نے قدموں کے صدقے اُتارے ہوں گے کہ یہ قدم عزت آفزائی کا آخری حوالہ تھے،

پہلی منزل غارِ ثور تھی کہ اس غار میں صداقت و رفاقت کو قرب خاص سے نوازا جانا تھا۔

غارِ ثور صدیوں سے تاریکیوں کی آماجگاہ تھی، انسان کا گزر نہ ہو تو حشرات بسیرا کر لیتے ہیں یہاں بھی یہی ہوا، اس لئے عرض کیا، کچھ توقف فرمایئے کہ غار کے اندر کا جائزہ لے لیا جائے، اندر گئے، صاف کیا، کچھ سوراخ بن چکے تھے اُن کو اپنی چادر اور لباس سے بند کیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا اوڑھنی کو دو کر دینا تمہید تھی جو بیٹی نے باپ کے عمل کے لئے فراہم کر دی تھی، یوں محسوس ہوتا ہے کہ خاندان کا ہر فرد ایثار وقربانی کا مرقع تھا، ایک یا دو سوراخ بند نہ ہو سکے کہ کپڑا نہ تھا تو ان پر پاؤں رکھ دیا، ثابت کر دیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وجود سرتا پا حفاظت رسول ﷺ کے لئے حاضر ہے، یہ بھی واضح کر دیا کہ فتنوں کا در بند کرنا ہو تو استقامت ابی بکر رضی اللہ عنہ درکار ہوتی ہے۔ حفاظت کا پورا اہتمام ہو گیا تو اندر آنے کی دعوت دی، اپنی گود آرام کے لئے حاضر کر دی، اس طرح دو وجودوں کا سنگم کائنات ہست و بود کے لئے جاں دادگی کا نشان بن گیا۔ سوراخ سے موذی جانور یعنی سانپ نے نکلنا چاہا مگر فصیل قدم کو توڑ نہ سکا اس لئے جھنجلاہٹ میں ڈسنے لگا، یہی ایذاء پسندوں کا وطیرہ ہوتا ہے، ٹیس اٹھی مگر صبر و استقامت کے کوہ گراں نے قدم نہ ہٹایا، قدم تو جما رہا مگر آنسوؤں نے ضبط کا بندھن توڑ دیا آنسو چھلکے تو وہاں جا گرے جس کی ایک جھلک صحابیت کی رفعت عطا کر دیتی ہے، وجہ قرار دو جہاں ﷺ نے آنکھ کھول لی، یقیناً آنکھ ہی بند تھی دل تو جاگ رہا تھا، پوچھا:

﴿مَالَکَ یَا اَبَابَکْرٍ فَقَالَ لُدِغْتُ فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ فَتَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فَذَھَبَ مَایَجِدُہٗ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ : ''اے ابوبکر کیا ہوا عرض کیا سانپ سے ڈسا گیا ہوں، میرے ماں اور باپ آپ پر قربان ہو جائیں پھر نبی اکرم ﷺ نے لعاب دہن لگایا تو وہ سب درد دور ہو گیا جو آپ محسوس کر رہے تھے''

ثانی اثنین

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مکہ والے تلاش میں غار تک آ گئے اس لئے کہ وہ تو قدموں کے نشان تلاش کرتے آئے تھے تو۔

﴿قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَاَنَافِي الْغَارِ لَوْ اَنَّ اَحَدَهُمْ نَظَرَ تَحْتَ قَدَمَيْهِ لَابْصَرَنَا قَالَ: مَاظَنُّكَ يَااَبَابَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا﴾

(صحیح مسلم، کتاب فضائل صحابہ باب فضائل ابی بکرؓ)

ترجمہ : ''میں نے عرض کیا نبی اکرم ﷺ سے اور ہم غار میں تھے کہ اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنے قدموں کے نیچے دیکھ لیا تو وہ ہم کو دیکھ پائے گا، فرمایا نبی رحمت ﷺ نے اے ابوبکر تیرا اُن دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو''۔

اس سے واضح ہو گیا کہ غار میں صرف دو ہی تھے، رسول اکرم ﷺ نے نام لے کر مزید واضح کر دیا کہ دوسرا کون تھا، قرآن مجید نے اس واقعہ کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا، ارشاد باری ہوا:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ

اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی ط وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا ط وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾ (التوبۃ:۴۰)

ترجمہ: ''اگر تم نے اُس کی یعنی نبی اکرم ﷺ کی مدد نہ کی (پھر بھی کوئی پریشانی نہیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی مدد اُس وقت کی جب کفر کرنے والوں نے اُنہیں نکالا، وہ دو میں سے دوسرے تھے جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے، غم نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنی حفاظت کا سکون نازل فرما دیا اور اُن کی مدد کی ایسے لشکروں سے جو تم کو نظر نہ آئے اور اُس یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات کو نیچا کر دیا اللہ تعالیٰ کی بات ہی بلند رہی اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے''۔

یہ آیت کریمہ سفر ہجرت کے معجزنما واقعات کی طرف اشارہ کر رہی ہے، کفر مدد کے لئے آگے نہ آئے، مخالفت پر آمادہ رہے تو یہ اُس کی سرشت کا تقاضا ہے اس پر کوئی تعجب اور حیرت نہیں، باعث استعجاب تو وہ مدد اور نصرت ہے جو اُن کو اپنی پناہ میں لے لے جن پر شب و روز زبان درازی ہو رہی ہے بلکہ ہمہ جہت تشدد کا رویہ مسلط کیا جا رہا ہے یہ اشارہ ہے راہ حق کے اُن مسافروں کی استقامت کی جانب جو غار ثور میں تھے، تلاش کرنے والے، انعام کے لالچ میں پہاڑوں اور وادیوں کی اطراف میں مارے مارے پھر رہے تھے اور قدموں کے نشانات سے راہنمائی پاتے ہوئے قریب تر آ گئے تھے اس قدر قریب کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، اُنہیں دیکھ رہے تھے

اور یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ ان حریص انسانوں نے اپنے قدموں کی جانب دیکھ لیا تو
غار کا اندران پر عیاں ہو جائے گا، یہ لحہ فکر انگیز تھا کہ جس وجود مکرم ﷺ کی خاطر اتنا
اہتمام کیا، اس راز داری سے چٹانیں عبور کیں اور اس استقامت سے کندھوں پر اٹھایا
کہ اُن کا نقش قدم بھی پتھر پر لگنے نہ دیا، وہ اب اس قدر احاطۂ نظر میں ہے کہ صرف
آنکھ جھکانے کی دیر ہے راز، راز نہ رہے گا، ایک محبت کرنے والا دل دھڑکنے لگتا ہے
کہ جس کی خاطر غار کے زہریلے سانپوں کو بھی آگے نہ بڑھنے دیا، یہ انسانی روپ میں
زہر آلود ہیولے اُس جانِ جہاں تک دسترس پالیں تو کیا ہوگا؟ ایک بے کلی ہے، ایک
لرزش ہے اور ایک نادیدہ خوف ہے، یہ کیفیت اور یہ حالت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ
کی دل گرفتگی کی غماز ہے، مسلسل رفاقت ہمہ وقت، ہمہ جہت بلکہ بہر جانب حفاظت کا
تسلسل اس اضطراب کا محرّک ہے، خوف اپنا نہیں کہ وہ تو حصار نبوت کے ذوق میں
اپنا آپ بھول چکے تھے وگرنہ ساتھ ہی کیوں دیتے؟ چٹانوں سے یوں کیوں ٹکراتے؟
کندھوں پر اٹھانے کی مشقت کیوں برداشت کرتے؟ اور یہ کہ لباس کو کیوں تار تار
کرتے، صرف اس لئے کہ کوئی خطرہ پوشیدہ ہو یا ظاہر اسی وجود مقدس ﷺ تک نہ پہنچ
پائے جو اُن کے نزدیک اپنی جان سے زیادہ قیمتی تھا، جاں نثاری کی یہ معراج، عظمت
کی اُس معراج کو چھونے لگی جہاں غیریت کے تمام حوالے معدوم ہو جاتے ہیں۔ یہ
فخر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل ہوا کہ مخلوقات میں سے یکتا اور منفرد
وجود کے ثانی قرار پائے اور اُس معیت میں دامانِ رسالت کے اتصال سے فیض یاب
ہوئے جہاں کوئی تیسرا نہ تھا، یہ اعزاز ہر اعزاز سے برتر اور یہ اختصاص ہر اختصاص
سے ارفع تھا، یہی وجہ ہے کہ رسول معظم ﷺ خود بھی اس خصوصی فضل کا اظہار فرماتے

تھے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ عظمت بلاشرکت غیر آپ کو حاصل تھی۔

ہجرت کے راستے میں بھی یہ منظر کئی بار دوہرایا گیا، خود ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ کی جانب بڑھ رہے تھے تو تلاش میں نکلنے والوں میں سراقہ بن مالک بھی تھا، وہ اس قدر قریب آ گیا کہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ یہ تو تلاش کرتے ہمیں آ ملا ہے، تشویش کا اظہار ہوا ہی تھا کہ فرمایا "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" غم نہ کھا بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے" معلوم ہوتا ہے معیت کا یہ شرف لحاتی نہ تھا، لمحہ لمحہ حاصل تھا، حضرت عبداللہ بن حنطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

﴿اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ رَآی اَبَابَکْرٍ وَّ عُمَرَ فَقَالَ ھٰذَانِ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ﴾ (جامع الترمذی باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ: "نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو فرمایا یہ سماعت و بصارت ہیں" یعنی جسد اسلام کے لئے ان کی حیثیت سمع و بصر کی ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِیْ بَکْرٍ اَنْتَ صَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ وَصَاحِبِیْ فِی الْغَارِ﴾ (جامع الترمذی باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا" تو حوض پر میرا ساتھی ہے اور تو غار میں بھی میرا ساتھی ہے"۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت ہے فرماتے ہیں

﴿كُنَّا فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَانَعْدِلُ بِأَبِيْ بَكْرٍ اَحَدًا﴾ (صحیح البخاری باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ: ''ہم نبی اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں میں کسی کو بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہ گردانتے تھے''۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مزید فرماتے ہیں:۔

﴿كُنَّا نَقُوْلُ وَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ افضلُ اُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ﴾

(سنن اَبی داؤد کتاب السنۃ باب فی التفضیل)

ترجمہ: ''ہم رسول اکرم ﷺ کی حیات ظاہرہ میں ہی کہا کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کی امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم''

رسول اکرم ﷺ کے ہاں مقام، منزلت اور قرب

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قرب اور یہ افضلیت آپ کو اس مقام بلند تک لے گئی کہ خود نبی رحمت ﷺ نے آپ کو اپنا محبوب قرار دیا، اس محبوبیت کا کئی بار متعدد حوالوں سے اظہار ہوا، یہ یقیناً محبت رسول ﷺ کا اثر تھا کہ محب خالص کو محبوب کریم کا درجہ حاصل ہوا، اظہار کے چند مناظر دیکھیے:

☆ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ذات السلاسل کی جنگ کے لیے لشکر

لے کر روانہ ہونے کے لئے حاضر ہوئے تو انہوں عرض کیا:۔

﴿اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ عَائِشَةُ فَقُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ اَبُوْهَا قَالَ فَقُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَعَدَّ رِجَالاً﴾

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب اَبی بکرؓ)

ترجمہ:''لوگوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا، میں نے کہا مردوں میں سے فرمایا اُن کا باپ، عرض کیا پھر کون فرمایا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پھر اور لوگوں کو گنا''

ایسی ہی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جامع الترمذی باب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ میں بھی ہے۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

﴿اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا وَخَیْرُنَا وَ اَحَبُّنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ﴾ (جامع الترمذی باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ:''ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہم میں سے ممتاز اور ہم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو پیارے تھے''۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿لَایَنْبَغِیْ لِقَوْمٍ فِیْهِمْ اَبُوْبَکْرٍ اَنْ یَؤُمَّهُمْ غَیْرُهٗ﴾

(جامع الترمذی باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ:''جس قوم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں اُس قوم کے لئے

مناسب نہیں کہ اُن کے سوا کسی اور کو امام بنائے۔"

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلاً لَا تَّخَذْتُهُ خَلِيْلاً وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ اَفْضَلُ ﴾

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب اُبی بکرؓ)

ترجمہ: "اگر میں کسی کو دوست بناتا تو میں ان کو یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دوست بناتا لیکن اخوت اسلامی ہی بہتر ہے"

یہی حدیث صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ باب فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ میں بھی موجود ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:۔

﴿ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ اُحُدًا وَاَبُوْبَکْرٍ وعُمَرُو عُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ فَقَالَ اُثْبُتْ اُحُدًا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَصِدِّیْقٌ وَشَهِیْدَانِ ﴾

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ: "نبی اکرم ﷺ و حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اُحد پہاڑ پر چڑھے تو اُس نے ان کو لرزا دیا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، اُحد ٹھہر جاؤ، بے شک تم پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہی تو ہیں"

☆ روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے روز) جنت کے دروازوں پر سے آوازیں دی جائیں گی، ہر نیکی کرنے

والے کے لئے نیکی کی مناسبت سے خاص دروازہ ہوگا، فرمایا کچھ کو باب الصلوٰۃ، کچھ کو باب الجہاد، کچھ کو باب الصدقہ اور کچھ کو باب الصیام جسے باب الریان کہا گیا، سے آوازیں آئیں گی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھ لیا یا رسول اللہ ﷺ کوئی ایسا بھی ہوگا جس کو ہر دروازے سے پکارا جائے گا (یعنی کوئی ایسا جامع الصفات ہوگا کہ اُس کو ہر ہر دروازے سے پکارا جائے) فرمایا ہاں وَاَرْجُوْاَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ يَاأَبَابَكْرٍ (صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ) یعنی مجھے امید ہے کہ اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تو ان میں سے ہوگا۔ اللہ اللہ ہمہ جہت خصائص اور ہم اطراف صالح اعمال کی موجودگی اور اعمال کی قبولیت کی سند عطا فرمادی۔ یہ حدیث جامع الترمذی باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ میں بھی موجود ہے"۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

﴿ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ اَحَدُ هُمَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَالْاٰخِرُ عَنْ شِمَالِهٖ وَهُوَ اٰخِذٌ بِاَيْدِيْهِمَا فَقَالَ هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ (جامع الترمذی باب مناقب اَبی بکرؓ)

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ ایک روز گھر سے باہر آئے اور مسجد (نبوی) میں داخل ہوئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں سے ایک آپ ﷺ کے دائیں جانب تھا اور دوسرا آپ ﷺ کے بائیں جانب اور آپ ﷺ نے اُن دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، فرمایا اسی طرح ہم قیامت کے روز

اٹھائے جائیں گے"۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو جنت کا دروازہ دکھایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، میں چاہتا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ ہوتا اور جنت کا دروازہ دیکھ لیتا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

﴿ اَمَا اِنَّکَ یَااَبَابَکْرٍ اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ ﴾

(سنن ابی داؤد کتاب السنة باب فی الخلفاء)

ترجمہ: "جہاں تک اے ابوبکر تیرا معاملہ ہے تُو تُو میری اُمت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا"۔

☆ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے خطبہ دیا، اس میں فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور اُن نعمتوں کے مابین انتخاب کا اختیار دیا ہے جو نعمتیں اُس کے پاس ہیں تو اُس بندے نے اللہ تعالیٰ کے ہاں کی نعمتوں کا انتخاب کرلیا ہے۔ فرماتے ہیں یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، ہم سب اُن کے رونے پر حیران ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بندے کا ذکر کیا ہے جسے اس انتخاب کا اختیار دیا گیا، حالانکہ وہ اختیار دیئے گئے خود نبی اکرم ﷺ ہی تھے، حقیقت یہ ہے کہ کَانَ اَبُوْبَکْرٍ ھُوَ اَعْلَمُنَا یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سے زیادہ علم رکھتے تھے کہ حکایت کی مراد جان گئے تھے۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا،

﴿ اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْبَکْرٍ

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلاً غَيْرَ رَبِّیْ لَا تَّخَذْتُ أبَابَكْرٍ خَلِيْلاً وَلٰكِنْ اُخُوَّةَ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتَهٗ لا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِیْ بَكْرٍ﴾

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ :''بے شک لوگوں میں سے مجھ پر اپنی رفاقت اور اپنے مال کے حوالے سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں، اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو دوست بناتا مگر اسلامی بھائی چارہ اور اسلام کی محبت ہے یعنی کافی ہے، مسجد (نبوی) میں کوئی دروازہ نہ رہے مگر بند کر دیا جائے سوائے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے دروازے کے''

☆ صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ باب فضائل ابی بکر میں باب کے بجائے خوخة (یعنی دریچہ) کا لفظ ہے۔

☆ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں:

﴿قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَلَهٗ وَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِيْرانِ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَزِيْرَایَ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ فجِبْرَئِيل وَمِيْكَائِيلَ وَاَمَّا وَزِيْرایَ مِنْ أَهْلِ الْاَرْضِ فَابوبَكْرٍ وَعُمَرُ﴾

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب ابی بکرؓ)

ترجمہ :''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر نبی کے دو وزیر آسمانوں والوں سے ہوتے ہیں او دو زمین والوں سے جہاں تک میرے

وزیروں کا معاملہ ہے تو میرے دو وزیر آسمانوں والوں میں سے
جبرائیل اور میکائیل علیہ السلام ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں
سے ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) ہیں"

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ طَلَعَ
اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
ھٰذَانِ سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّا
النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ یَاعَلِیُّ لَاتُخْبِرْھُمَا (جامع الترمذی کتاب
المناقب باب مناقب ابی بکرؓ) ابن ماجہ میں بھی روایت ہے۔

ترجمہ: "میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا کہ اچانک حضرت ابوبکر اور
حضرت عمر رضی اللہ عنہما سامنے آ گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ
دونوں اہل جنت کے عمر رسیدہ افراد کے سردار ہیں وہ اولین میں
سے ہوں یا آخرین میں سے یعنی پہلے گزرے ہوئے افراد ہوں
یا بعد آنے والے، سوائے انبیاء اور رسولوں کے"

معلوم ہوا انبیاء کرام اور رسولان عظام علیہم السلام کے بعد ان دونوں کا درجہ ہے اور یہ دونوں ہی سب کے سردار ہیں اور یہ سیادت کسی زمانے یا دور سے محدود نہیں، ماضی حال مستقبل سب کو محیط ہے، یہ ارشاد فرما کر نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس بلند مقامی کے بارے میں ان کو ابھی نہ بتائیں مراد یہ تھی کہ یہ قیامت کا فیصلہ ہے وہاں ہی اس کا اظہار ہوگا۔

محسن ملت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اعلان نبوت کے ساتھ ہی قبولیت اور تصدیق کا شرف پالیا تھا، آپ کا یہ اقرار کسی لمحاتی جوش یا مفاداتی خروش کے زیر اثر نہ تھا بلکہ مکمل آگہی اور بھرپور ہوش مندی کا مظہر تھا اس لئے حالات کا رُخ کوئی بھی رہا، معاند قوتیں کس قدر بھی منہ زور رہیں، ستم رانیوں کے زاویے کوئی بھی رہے مگر استقامت و اعانت کا پیکر عظیم ہر لمحہ صبر و رضا کا کوہِ گراں ثابت ہوا، اسلام کے دامن میں آئے تو والدین موجود تھے، اولاد بھی باشعور تھی مگر کوئی مصلحت اور کوئی تشویش حائل نہ ہوئی، آپ کے والد گرامی نے تو فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا، بیس اکیس سال کا یہ سفر اُن کی رفاقت کے بغیر ہی طے کیا مگر کبھی بھی پدری محبت نے راستہ نہ روکا، گھربار قربان کر دینے کا جو سلیقہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امت کو سکھایا وہ آج بھی کامرانیوں کا وسیلہ اور عظمتوں کا حوالہ ہے۔ عرب کا ایک نامور تاجر، قبائل میں لائقِ احترام منزلت کا حامل صاحب بصیرت وجود پچاس ہزار کے قریب دینار کا مالک تھا، اس دولت کا شمار عصر حاضر میں کروڑوں بلکہ اربوں کی مالیت کا ہے مگر یہ دولت کبھی غلاموں اور کنیزوں کی آزادی پر صرف ہوئی تو کبھی نادار اہل ایمان کی معاشی کفالت کا سبب بنی اور جب ہجرت کا صبر آزما سفر درپیش ہوا تو چار ہزار دینار جو ایثار و سخاوت کے باوجود بچ گئے تھے مدینہ منورہ کی اقتصادی ضرورتوں کے لئے ساتھ تھے۔ والدِ گرامی نابینا تھے، معاش کے حصول کے لئے محنت نہ کر سکتے تھے اس لئے مضطرب ہوئے کہ قُوت لایموت کا سامنا کیسے ہوگا مگر ہونہار پوتیوں نے یوں تسلی دی کہ جذبوں کی صداقت نکھر کر سامنے آ گئی، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایثار و قربانی کا جذبہ گھرانے کے ہر فرد میں حتیٰ کہ نوخیز معصوموں میں بھی پوری قوت سے موجود تھا، یہی وجہ تھی کہ ہجرت کی رات،

ہجرت کے سفر کو سب سے مخفی رکھا گیا کہ احتیاط کا یہی تقاضا تھا مگر خاندان صدیقی کے تمام افراد حتیٰ کہ غلام بھی اس سفر کے تمام مراحل سے آگاہ تھے، یہ کسی گھرانے پر نبوی اعتماد کا برملا اظہار تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا غار ثور میں کھانا پہنچانا، حضرت عبداللہ صاحبزادے کا دن کے حالات سے آگاہ رکھنے کے لئے غار ثور تک آنا، غلام عامر بن فہیرہ کا ریوڑ کو یوں ہانک کر غار کے قریب تک لانا کہ تازہ دودھ مہیا کیا جا سکے، یہ سب شواہد اُس اعتماد کے مظہر ہیں جو اس خاندان کو حاصل ہو گیا تھا اور یہ اس گھرانے کی محبت کا وہ ثبوت ہیں جو کسی اور گھرانے کو حاصل نہ ہو سکا'' یہ قرب و محبت ہی کا اظہار تھا کہ بخاری شریف کی حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ صبح و مساء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لاتے تھے ہجرت کا سفر تو شان صدیقی کا وہ اجلا حوالہ ہے کہ یار غار بھی قرار پائے اور رفیق سفر بھی۔

مدینہ منورہ میں ایثار و قربانی کا یہ سلسلہ مزید مستحکم ہو گیا، قبا میں اکٹھے داخل ہوئے تھے، مدینہ منورہ کی جانب سفر کا ہر پہلو اس رفاقت کا اعلان تھا، مسجد نبوی کی تعمیر تاریخ عبادت کا روشن باب ہے، خالی زمین درکار تھی، سہل اور سہیل رضی اللہ عنہما دو یتیم بچے تھے، ان کی ملکیت بتائی گئی، بلایا، زمین کے حصول کا معاملہ سامنے آیا، ہونہار مگر نوخیز جوان مفت دینے اور ہدیہ کرنے پر تیار تھے مگر مزاج نبوت کو یتیموں کا مال ہدیہ کے طور پر لینا پسند نہ آیا، قیمت کا اندازہ کیا گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قیمت ادا کر دی، ایک بار پھر ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال کو اپنا سمجھ کر خرچ کر رہے تھے، یہ اعتمادِ مسلسل کا ایک اور مظہر تھا، ایثار کے ایسے ہی لمحے تھے جو سیرت صدیقی کے درخشاں ستارے بنے اور آخر وہ مقام آ گیا کہ نبی اکرم ﷺ

نے اس کا برملا اظہار فرما کر دائمی شرف کا حوالہ بنا دیا، یہ حدیث تو درج کی جا چکی کہ محسن کائنات ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا ''اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ اَبُوْبَکْرٍ '' (صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ) یعنی لوگوں میں اپنے ساتھ اور اپنے مال سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اس شرف کا حوالہ متعدد روایات میں موجود ہے، ان میں ایک واضح روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھی ہے فرماتے ہیں:۔

﴿قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَالِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلَّا وَقَدْ کَافَیْنَاہُ مَاخَلَا اَبُوْبَکْرٍ فَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا یَدٌ یُکَافِئُہُ اللہُ بِھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ﴾ یہ بھی فرمایا:۔

﴿وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ﴾

(جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ: ''رسول ﷺ نے فرمایا، جس کسی کا بھی ہم پر احسان تھا ہم نے اُس کا بدلہ ادا کر دیا، سوائے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے کہ ان کا ہم پر احسان ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے روز دے گا'' یہ بھی فرمایا: ''کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں دیا جتنا مجھے ابوبکر کے مال نے نفع دیا''

☆ سنن ابن ماجہ میں ہے:

﴿مَا نَفَعَنِیْ مَالٌ قَطُّ اِلَّا مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ فَبَکٰی اَبُوْبَکْرٍ وَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللہِ ھَلْ اَنَاوَمَالِیْ اِلَّا بِکَ یَارَسُوْلُ اللہِ﴾ (سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیقؓ)

ترجمہ : ''مجھے کسی مال نے ہرگز نفع نہیں دیا سوائے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)
کے مال کے، راوی کہتا ہے اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ
رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ، کیا میں اور میرا مال
آپ ﷺ کے ساتھ نہیں یعنی میرا وجود اور میرا مال آپ کی وجہ
ہی سے تو ہے''۔

اس اعلان کی عظمت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علو مرتبت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور آپ کا یہ رویہ بھی چشم کشا ہے کہ اس منزلت پر اترائے نہیں بلکہ اس سر بلندی کو بھی ذات رسول ﷺ کا تحفہ اور صدقہ قرار دیا، قدر شناسیٔ محبوب کی عظمت کا اندازہ کیجئے

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہرہ میں جس محبت، خلوص اور وارفتگی کا مظاہرہ ہوتا رہا آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی یہی رویہ حرز جان رہا، واقعات خلافت میں ایسے متعدد واقعات تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں جو اس کی شہادت دے رہے ہیں۔

مسند نشینی کی تمہید

نبی اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی آپ ﷺ سے محبت و عقیدت کا بدیہی نتیجہ تھا کہ جدائی کے کسی صدمے کو برداشت کرنے کی جانثاروں میں ہمت نہ تھی۔ اس لئے وہ ناسازیٔ طبع کے دورانیہ ہی میں ایک ان جانے خوف کا شکار ہو گئے تھے، حجرۂ اقدس سے آپ ﷺ کا تشریف نہ لانا، صف در صف

انتظار کرنے والے عشاق کے لئے ایک صدمے سے کم نہ تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکارنا اور جواب نہ پانا ایک ہیجان کا سبب بن رہا تھا، اس موقعہ پر کیا ہوا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے عیاں ہے، فرماتی ہیں جب جماعت کا وقت آیا تو آپ ﷺ حسب سابق مسجد نبوی میں تشریف نہ لے گئے انتظار ہوتا وہا عرض کیا گیا تو ارشاد فرمایا:

﴿مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ﴾

ترجمہ: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم پہنچاؤ کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کی نزاکت کو بھی جانتی تھیں اور اپنے والد گرامی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مزاج کی رقت اور لطافت کو بھی سمجھتی تھیں اس لئے عرض کرنے لگیں:

﴿اِنَّ اَبَابَكْرٍ اِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ﴾

ترجمہ: ''بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آپ کے مقام پر کھڑے ہوں گے تو کثرت گریہ کے لوگ اُن کو نہ سن پائیں گے''

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات کے حوالے سے اس اعزاز کے حصول میں یہی عذر کیا جا سکتا تھا جو پیش کر دیا گیا مگر حکم برقرار رہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی عذر کی تائید کے لئے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا، کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی متبادل جانشین ہو سکتے تھے، دونوں کا مشورہ سننے پر بھی نبی اکرم ﷺ نے حکم نہ بدلا بلکہ ناراضی کا اظہار فرمایا اور یہاں تک فرمایا:

☆ ﴿اِنَّكُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ﴾

ترجمہ: ''بے شک تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کی ساتھیوں کی طرح ہو''

اس سے ثابت ہوگیا کہ رسول آخرالزماں ﷺ اپنی نیابت کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی پر راضی نہ تھے، یہ پُر تنبیہ اصرار خلافت صدیقی کو رضائے رسول ﷺ کی سند عطا کر رہا ہے۔

(یہ روایت صحاح کی اکثر کتب میں ہے۔ صحیح البخاری میں رسول اللہ ﷺ کے مرض کے باب میں اور مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ میں الترمذی میں کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ میں بھی ہے)

اس واضح ہدایت کے علاوہ جب حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے حج کی استطاعت رکھنے والوں پر حج کے فرض ہونے کا اعلان فرمایا تھا، حج فتح مکہ (آٹھ ہجری رمضان المبارک) کے بعد فرض ہوا اس لئے ۹۔ ہجری کو اسلامی احکام کی روشنی میں پہلا حج کیا گیا، ایک کثیر تعداد اہالیان مدینہ اور قرب و جوار کے مضافات کی فریضہ حج کے لئے تیار ہوئی، نبی اکرم ﷺ اس پہلے حج میں خود تشریف نہ لے گئے جس کی متعدد حکمتیں ہیں۔ اس قافلہ حج کا امیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا، اس سے بھی رسول اللہ ﷺ کی حیات ظاہرہ میں نیابت کا اعلان ہوا۔ نو ہجری کا حج اور آخری سترہ نمازیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت و امارت میں ادا کرنے کا حکم دے کر واضح کر دیا گیا کہ ارکان اسلام میں سے یہی دو رکن ہیں جن میں امامت و امارت کا مرحلہ آتا ہے اور یہی دو ارکان ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ادا کرائے جا رہے ہیں کہ ان کی اس امارت و امامت کو تائید رسالت حاصل ہو جائے۔

یہ تو نیابت ارکان کا مرحلہ تھا، نبی اکرم ﷺ نے بعض دیگر مواقع پر بھی اس

نیابت کی جانب واضح اشارے کئے ہیں۔ مثلاً

﴿عَنْ جُبَیْرِبْنِ مُطْعِمٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ اَتَتْ اِمْرَأَۃٌ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَاَنْ تَرْجِعَ اِلَیْہِ قَالَتْ اَرَاَیْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْکَ کَاَنَّھَاتَقُوْلُ اَلْمَوْتُ قَالَ اِنْ لَمْ تَجِدِیْنِیْ فَأْتِیْ أَبَابَکْرٍ﴾

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ،
صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابی بکرؓ)

ترجمہ: "حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: "ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پھر آئے اس نے کہا، آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں گویا وہ کہہ رہی ہے کہ وفات ہو چکی ہو تو، آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ جانا"

کس صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا کہ جو معاملہ مجھ سے کرنا ہو اور میں موجود نہ ہوں بلکہ اگر میں دنیا سے جا چکا ہوں تو پھر معاملات کی نگرانی اور میری نیابت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوگی۔

ان واضح اشارات اور صریح ارشادات سے مستقبل کا نقشہ تو واضح ہو چکا تھا اور کسی قسم کا ابہام بھی نہ تھا اگر چہ امت کی تربیت اور اسلامی معاشرت کی مشاورتی روح بیدار رکھنے کے لئے خلافت کے لاحقے کے ساتھ مسند نشینی کا اعلان نہ فرمایا بعض روایات سے ایسے اشارے ضرور ملتے ہیں مثلاً:۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

﴿قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهٖ أُدْعِيْ لِيْ أَبَابَكْرٍ أَبَاكِ وَأَخَاكِ حَتّٰى أَكْتُبَ كِتَابًا فَإِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلُ قَائِلٌ أَنَا أَوْلٰى وَيَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا أَبَابَكْرٍ﴾

(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل ابی بکرؓ)

ترجمہ : ''رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایام مرض میں فرمایا اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو میرے ہاں بلالو تاکہ میں تحریر لکھ دوں، میں ڈر محسوس کرتا ہوں کوئی خواہش مند، خواہش نہ کرنے لگے اور کہنے لگے میں زیادہ حقدار ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور مومن سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب کا انکار کرتے ہیں''۔

یہ بڑا صریح فیصلہ تھا مگر مؤخر کردیا گیا کہ یقین تھا اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ ہے اور ایمان والے بھی اسی فیصلے کو اپنالیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

خلافت کے اشارات

رسول اکرم ﷺ کی خصوصی توجہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خصوصی رویوں کی بنا پر ملت اسلامیہ کا ہر فرد یہ جان چکا تھا کہ آپ کو دربار رسالت سے امتیازی نسبت حاصل ہے اسی لئے عام معاشرتی زندگی میں بھی آپ کو نمایاں مقام حاصل تھا، دور نبوی کے فیصلوں میں بھی آپ کی مشاورت کو اہمیت دی جاتی، غزوۂ بدر جو غزوات میں مومنانہ روش کو متعین کرنے کا اولین حوالہ تھا تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت کا حامل

ہے، یہ اولین فتح بھی تھی اور ایثار و قربانی کی ابتدائی داستان بھی، اس میں ستر کے قریب کفار کے سربرآوردہ افراد قید ہوئے تھے، ان کے بارے میں کیا فیصلہ ہو اس پر مشاورت ہوئی تاریخ و سیر کے مستند ماخذ گواہ ہیں کہ اس جذباتی پس منظر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ وہی تھا جو خود رسول اکرم ﷺ کی رائے تھی، اس سے آراء کے اتحاد اور فکر کی ہم آہنگی کا سب کو اندازہ ہو گیا تھا۔

غزوۂ احد میں جب تیر اندازوں محافظین نے اپنے اجتہاد اور رائے سے درّہ چھوڑا تھا تو لشکر اسلامی کو پریشانی کا سامنا ہوا تھا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے یہ غیر مصدقہ خبر عام ہو رہی تھی کہ آپ ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ ایسے اضطراب کے عالم میں کفر کی پسپا ہوتی ہوئی جماعت پہاڑ کا چکر کاٹ کر لوٹ آئی تھی، صرف یہ اطمینان مقصود تھا کہ کیا یہ خبر درست ہے ابوسفیان جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے وہ اس نازک لمحہ کو پہچان رہے تھے اس لئے انہوں نے پہاڑ کے اوپر سے پکارنا شروع کر دیا، اُن کی پکار بتا رہی ہے کہ مخالفین کے نزدیک بھی ترتیب مراتب کیا تھی، پکارا:

﴿ أَفِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ فَقَالَ لَا تُجِيبُوهُ، فَقَالَ أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ قَالَ لَا تُجِيبُوهُ فَقَالَ أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ ﴾ (صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوہ اُحد)

ترجمہ: ''کیا اس قوم میں محمد (ﷺ) ہیں، فرمایا اس کو جواب نہ دو، انہوں نے پھر پکارا کیا اس قوم میں ابن اُبی قحافہ یعنی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں، فرمایا اسے جواب نہ دو، انہوں نے پھر پکارا کیا اس قوم میں ابن الخطاب یعنی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں''۔

یہ ترتیب ندا واضح کر رہی ہے کہ اپنوں کے ہاں ہی نہیں مخالفین کے نزدیک بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت کے نمایاں تر فرد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

صلح حدیبیہ جو چھ ہجری میں ہوئی ایک ایسی صلح تھی جس پر بظاہر مسلمانوں کے دل مطمئن نہ تھے، اس لئے کہ اس کی شرائط میں جھکنے کا احساس نمایاں ہو رہا تھا، ماحول میں قدرے فکرمندی کی فضا تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لمحے اپنے جذبات کا اظہار کرنے میں سبقت لے گئے کہ آپ رسول رحمت ﷺ کے دربار میں آئے اور اپنی تشویش کا اظہار کیا، کیا کہا اور جواب کیا تھا، صحیح مسلم کی اُس روایت میں جو حضرت سھل بن حُنیف رضی اللہ عنہ سے ہے بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے آپ فرماتے ہیں۔

﴿ فَجَاءَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ فَأَتٰی رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَلَسْنَا عَلَی الْحَقِّ وَهُمْ عَلَی الْبَاطِلِ قَالَ بَلٰی قَالَ أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ قَالَ بَلٰی قَالَ فَفِيْمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَا وَنَرْجِعُ وَلَمَّا يَحْكُمِ اللهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ قَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللهُ أَبَدًا ﴾

ترجمہ: ''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں حاضر ہوئے، کہنے لگے یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور وہ باطل پر نہیں، فرمایا کیوں نہیں، عرض کیا کیا ہمارے مقتول

(شہداء) جنت میں نہیں جائیں گے، اور اُن کے مقتول دوزخ
میں، فرمایا بلاشبہ، عرض کیا تو پھر ہم دین میں یہ کمزوری کیوں دکھا
رہے ہیں ہم لوٹ رہے ہیں کہ ابھی تک تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے
اور اُن کے درمیان فیصلہ صادر نہیں فرمایا، فرمایا: اے ابن خطاب
(رضی اللہ عنہ) میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے کبھی ضائع
نہ ہونے دے گا''۔

یہ عبارت بڑے واشگاف الفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اندرونی قلق کو واضح کر رہی ہے، رسول اللہ ﷺ کا جواب بھی کسی دلیل یا شہادت کے حوالے سے نہ تھا بلکہ اس احساس کا اظہار تھا کہ جب مجھے رسول مان چکے ہیں تو یقین رکھیں، کوئی فیصلہ بھی ضیاع کا سبب نہ بنے گا، غیر مشروط اطاعت کا اس سے بہتر اظہار ممکن نہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ہیجانی رویے کے برعکس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رویہ کیا تھا، اسی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھی کا اس حوالہ سے رویہ جانچنے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے:

☆ ﴿ قَالَ فَانْطَلَقَ عُمَرُ فَلَمْ يَصْبِرْ مُتَغَيِّظًا فَاتَى اَبَابَكْرٍ
فَقَالَ يَا اَبَابَكْرٍ اَلَسْنَا عَلَى حَقٍّ وَهُمْ عَلَى بَاطِلٍ قَالَ
بَلٰى قَالَ اَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ
قَالَ بَلٰى قَالَ فَعَلَامَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَا وَنَرْجِعُ وَلَمَّا
يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ قَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِنَّهٗ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَنْ يُضَيِّعَهُ اللّٰهُ أَبَدًا ﴾
(صحیح مسلم باب صلح حدیبیہ)

ترجمہ: ''کہا کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ چل پڑے وہ اپنے جذبات پر صبر نہ کر سکے کہ غصہ میں تھے، پس آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، کہا اے ابو بکر کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں، کہا، بلاشبہ، کہا: کیا ہمارے مقتول یعنی شہید جنت میں اور اُن کے مقتول دوزخ میں نہ جائیں گے، کہا، ایسا ہی ہے، کہا تو پھر ہم کس بنیاد پر اپنے دین میں کمزوری دکھائیں اور اس حال میں لوٹ جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور اُن کے درمیان فیصلہ نہیں فرمایا ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن الخطاب، بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کبھی بھی آپ ﷺ کو ضائع نہ ہونے دے گا''۔

حیرت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جواب اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جواب کس قدر حرف حرف اور لفظ لفظ تک یکساں ہے، یہ یکسانی طبع، عظمت آثار بھی ہے اور مستقبل میں قوم کے لئے راہنمائی کا اشارہ بھی، یہ سب اشارات، مومنوں کے قلب ونظر میں گھر کر چکے تھے اس لئے اُس اضطرابی لمحہ میں بھی فیصلہ کرنے میں کوئی سبب یقینی حائل نہیں ہوئی۔

نیابت کی جانب

نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہرہ میں امیر حج بننا، سترہ نمازوں میں رسول ﷺ کے حکم کے تحت مسجد نبوی میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی امامت فرمانا ایسے واضح

اشارے تھے جو مستقبل میں نیابت کے منصب کی اہلیت ثابت کر رہے تھے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ قوم کے لئے راہِ عمل متعین کرنے کے لئے ہدایت کا سامان بھی تھے اور اپنی موجودگی میں ترتیب کا عملی اظہار بھی، یہ اسی تربیت وہدایت کے اثرات تھے کہ جب بالفعل نیابت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کا موقعہ آیا تو وہ وجود جس کے بارے میں گمان تھا کہ وہ منصب قبول کرنے اور اسے نبھانے میں لرز لرز جائے گا اس قدر حوصلہ مند ثابت ہوا کہ مورخ کا قلم اس استقامت و ہمت پر آج تک دادِ تحسین دے رہا ہے۔

تصور کیجئے کہ وہ جودوکرم جس کی زیارت عشاق کے لئے وجہ قرار تھی، جس کے رخِ انور پر ایک نظر رفعتوں کے کئی آسمانوں سے مانوس کر دیتی تھی، جلوت ہو یا خلوت جسے دیکھ لینا صحابیت کی عظمت عطا کر دیتا تھا، وہ وجود اپنے رفیق اعلیٰ کے اشتیاق میں دنیا سے رُخ پھیر لے تو جان نثاروں کا کیا بنے گا؟ اس لمحے مدینہ منورہ کی فضا کیسی تھی اور مسجد نبوی میں کس قسم کا ہنگام تھا اس کا اندازہ اُن احادیث سے ہوسکتا ہے جو اس لمحہ آخریں کے کرب ناک مناظر سے ترتیب پائی ہیں، صحیح بخاری ہی کی روایت پر نظر ڈال لیجئے اور محسوس کیجئے کہ اصحاب رسول ﷺ کی حالت کیا تھی، تفصیل میں کیوں جایئے صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اظہار غم کی کیفیات کو پڑھ لیجئے۔ آپ کس قدر قوت کے ساتھ اعلان کر رہے تھے کہ

﴿وَاللهِ مَامَاتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ)

''اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کو موت نہیں آئی''

ابن ہشام کہتے ہیں کہ آپ فرما رہے تھے:

﴿ إِنَّ رِجَالاً مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ يَزْعَمُوْنَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ تُوُفِّيَ، وَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامَاتَ وَلٰكِنَّهُ ذَهَبَ إِلٰى رَبِّهٖ كَمَاذَهَبَ مُوْسٰى بْنُ عِمْرَانَ فَقَدْغَابَ عَنْ قَوْمِهٖ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِمْ بَعْدَأَنْ قِيْلَ: مَاتَ وَاللهِ لَيَرْجِعَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَارَجَعَ مُوْسٰى فَلَيُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَ رِجَالٍ وَأَرْجُلَهُمْ زَعَمُوْا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ ﴾

(سیرت النبی ﷺ المجلد الثانی ص ۳۳۴ مکتبہ دار التراث القاہرہ)

ترجمہ: ”بے شک منافقین میں سے کچھ لوگ گمان کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں اور یقیناً رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام گئے تھے کہ وہ اپنی قوم سے چالیس رات کے لئے چھپ گئے تھے اور پھر قوم کی طرف واپس لوٹ آئے تھے جبکہ کہہ دیا گیا تھا کہ آپ وفات پا گئے اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ یقیناً واپس آئیں گے جس طرح موسیٰ علیہ السلام آ گئے تھے، تو وہ لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو یہ گمان کرنے لگے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں“

کس قدر نازک مرحلہ تھا ایک ہیجانِ غم تھا جو قوم پر طاری تھا، اس

جذباتی فضا کو قائم رہنے دیا جاتا تو ملت کا کیا بنتا؟ یہی وہ فیصلہ کن مرحلہ تھا جو کردار کی استقامت اور صبر آزما لمحوں میں قوم کی قیادت کے لئے ضروری تھا، لازم تھا کہ نبوی نیابت کی استقامت ظاہر ہوتی اور تاریخ شاہد ہے یہ نیابت اُسی کا مقدر بنی جسے ان مراحل کے لئے تیار کیا گیا تھا، یہ وہ حساس لمحہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کاشانہ رسالت میں داخل ہوئے رسول اکرم ﷺ کے چہرہ انور سے چادر ہٹائی پھر کیا ہوا، امام بخاری علیہ الرحمۃ کی روایت کے حوالے سے سنیئے۔

﴿فَقَبَّلَهُ فَقَالَ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ لَايُذِيْقُكَ اللهُ الْمَوْتَتَيْنِ أَبَدًا﴾

ترجمہ: "پس آپ ﷺ کے رُخ انور کو چوم لیا اور عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ حیاتِ ظاہرہ میں بھی طیب رہے اور موت کے مرحلہ پر بھی طیب رہے، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ آپ کو کبھی بھی دو موتوں کا ذائقہ نہ دے گا۔"

جذبات کے اظہار میں متانت اور شدت اور حقیقت کے اعتراف میں اس قدر جراٗت ہی منصب خلافت کے وہ جوہر تھے جو طلاطم جذبات میں بھی تابدار رہے۔ حالت تو یہ تھی کہ ساری مسجد میں جذبات اُمڈے ہوئے تھے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمہ تن وقار کے ساتھ باہر آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَيُّهَا الْحَالِفُ عَلٰى رِسْلِكَ﴾

"اے قسمیں کھانے والے ذرا صبر سے"

پھر آپ نے قوم کو خطاب کیا، حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

﴿ أَلَا مَنْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَفَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ ﴾

ترجمہ :"خبردار سنو جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو محمد ﷺ تو وفات پا گئے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ حی ہے اُس کو موت نہیں"

پھر آپ نے قرآن مجید کے حیات وممات کے حوالے سے چند فرامین تلاوت کیے۔

﴿ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ ﴾

ترجمہ:"یقیناً آپ کو موت آئے گی اور بلاشبہ ان سب کو بھی مرنا ہے"

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ ﴾

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ)

ترجمہ :"اور محمد (ﷺ) رسول ہی تو ہیں، آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے کیا اگر آپ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاؤ گے اور جو اپنی ایڑیوں پر لوٹ جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو جزا دے گا"

دنیا کی زندگی کے بارے میں واضح کر دیا گیا کہ یہ دائمی نہیں، سب کو یہاں

سے جانا ہے، انبیاء سابقین علیہم السلام بھی گئے تھے اور نبی اکرم ﷺ کو بھی موت یا شہادت کے مرحلے سے گزرنا ہے۔ ہاں اصل بات یہ ہے کہ پہلے چلے جاتے رہے اور بعد میں دوسرے آ کر اس خلا کو پر کرتے رہے، اب معاملہ مختلف ہے کوئی صورت ہو جائے اس امت کو کسی اور کی تلاش نہیں کرنا کہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت، موت و حیات کے عمومی دائرے کی پابند نہیں آپ ﷺ رسول ہیں اور ہر لحہ رسول ہیں، سامنے ہوں کہ مدینہ منورہ میں چلتے پھرتے نظر آئیں یا روضہ انور کے اندر ہوں اور اصحاب نظر و بصیرت کو کار نبوت سرانجام دیتے دکھائی دیں، یہ لحہ تو اللہ تعالیٰ کے قانون کا پابند ہے، اس سے یہ سمجھ کر کہ آپ ﷺ ہمیں چھوڑ گئے، مشتعل ہو جانا مناسب نہیں، اب تو ایمان کی استقامت کا امتحان ہے اور بصیرتوں کی رسائی کی آزمائش ہے، یہ ہیجان خیز لحہ ایسی ہی فراست کا تقاضا کر رہا تھا اور نیابت رسالت کی اہلیت رکھنے والے دیدہ ور سے اس مرحلے پر ایسی ہی استقامت کی امید کی جا سکتی تھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ مومنانہ بصیرت اس قدر اثر آفریں تھی کہ اُمڈے ہوئے جذبات میں ٹھہراؤ آ گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اعتراف کیا کہ یوں محسوس ہوتا ہے یہ آیات آج ہی اُتری ہیں۔ (سیرت ابن ہشام ص ۴/۴۳۵)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غم زدہ تھے اُن کے دل پر اس فراق نے گہرا گھاؤ لگایا تھا جس کا اظہار متعدد بار ہوتا رہا مگر آپ کی قائدانہ صلاحیت نے مچلتے ہوئے جذبوں کو آداب آشنائی کا وقار عطا کیا جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیش آمدہ حالات کا جائزہ لینے لگے۔

سقیفہ بنی ساعدہ

ماحول، سکون مائل ہوا تو خلافت اسلامیہ کے مستقبل کی فکر لاحق ہوئی،
کائنات ہست و بود میں سب سے عظیم وجود خاتم المرسلین ﷺ کے پردہ فرمانے کے
بعد ملت اسلامیہ کو کس طرح مجتمع رہنا اور اپنا وجود قائم رکھنا ہے، یہ ایک برافروختہ
کرنے والا مرحلہ تھا، خواہشات جوان بھی ہو سکتی تھیں اور قومی سوچ کئی دھارون میں
بھی بٹ سکتی تھیں اور عملاً اس طرح کا ماحول ابھرنے لگا تھا، بنی ساعدہ کی اجتماع گاہ
جسے سقیفہ بنی ساعدہ کہا جاتا تھا وہاں انصار مدینہ کے کچھ افراد اکٹھے ہو گئے تھے تاکہ
فیصلہ کریں کہ دفاع اسلام کی جنگ لڑنے والے انصار کا اب رویہ کیا ہوگا۔ ایسا محسوس
ہوتا ہے کہ یہ مستقبل کی تعمیر کے لئے کسی واضح لائحہ عمل کو ترتیب دینے کی کاوش تھی جسے
بعض مورخین نے حصول خلافت کی خواہش سمجھ لیا، ہر دردمند کا ذہن آنے والے
خطروں کو بھانپ رہا تھا اس لئے بغیر کسی انقطاع کے، کسی متفقہ فیصلے کی ضرورت کا سب
کو احساس تھا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور یہ قبیلہ
دفاع اسلام کی جنگ میں پیش پیش رہا تھا اس لئے اُن کے ہاں ہی کسی طریق عمل کی
امنگ پہلے پیدا ہوئی۔ ہو سکتا تھا کہ نیک نیتی سے باندھے جانے والے ارادے کسی
وقت مصلحت یا لمحاتی ہیجان کا شکار ہو جاتے اس لئے اس اجتماع کو فلاح ملت کی
منصوبہ بندی کا حصہ بن جانا چاہئے تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی دانست کے
مطابق ایک رائے کا اظہار کر دیا تھا کہ ''مِنَّا أَمِيْرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيْرٌ'' کہ ہم سے ایک امیر
ہو اور تم سے بھی ایک امیر ہو۔ انصار و مہاجرین دونوں کی قوت تسلیم کی گئی تھی اس لئے
یہ مشورہ دیا گیا، امارت کی اس طرح تقسیم سے افتراق امت کا کیسا دروازہ کھلتا، اس کا

شاید اس وقت اندازہ نہ ہو سکا تھا، اضطراب کی یہی کیفیت تھی جب حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم تشریف لے آئے، مختصر ابتدائی گفتگو ہوئی ہی تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا "نَحْنُ الْاُمَرَاءُ وَاَنْتُمُ الْوُزَرَاءُ" امیر ہم میں سے اور وزیر تم سے۔ حالت کی سنگینی، معروضی حالات کے حقائق، آثار و روایات کے اشارے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قائدانہ کردار قوم کے لئے اجتماعی فیصلے تک پہنچنے میں مددگار ثابت ہوا، اس طرح یہ نازک مرحلہ بحسن تمام طے ہو گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ایک ایسی ذمہ داری تھی کہ تاریخ خلافت کا طالب علم آج بھی حیران و ششدر ہے کہ ان گنت مسائل اور منہ کھولے ہوئے حالات و واقعات سے کس طرح عہدہ برآ ہونے کا شرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا۔ بیعت عام کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جو دستور حکومت کا ترجمان بھی ہے اور منشور خلافت کی مستحکم دستاویز بھی۔

خطبہ خلافت......ایک اساسی دستور العمل

سقیفہ بنی ساعدہ میں اعیان امت کی بیعت کے بعد مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی، سرفرازی خلافت کے بعد آپ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا: حمد و ثنا کے بعد فرمایا:۔

﴿اَیُّهَا النَّاسُ فَاِنِّیْ قَدْ وُلِّیْتُ عَلَیْکُمْ وَلَسْتُ بِخَیْرِکُمْ فَاِنْ اَحْسَنْتُ فَاَعِیْنُوْنِیْ وَاِنْ اَسَاْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ، اَلصِّدْقُ اَمَانَةٌ وَالْکِذْبُ خِیَانَةٌ وَالضَّعِیْفُ فِیْکُمْ قَوِیٌّ عِنْدِیْ حَتّٰی اُرِیْحَ عَلَیْهِ حَقَّهٗ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَالْقَوِیُّ فِیْکُمْ ضَعِیْفٌ عِنْدِیْ حَتّٰی اٰخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا یَدَعُ قَوْمُ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِلَّا ضَرَبَهُمُ اللّٰهُ بِالذُّلِّ وَلَا

اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آگیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار

لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار

بولے حضور ﷺ چاہیے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

(اقبال)

مکتبہ جمال کرم
9۔ مرکز الاویس، دربار مارکیٹ لاہور
ph 042-7324948
mob 0321-4300441

تَشِيعُ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالْبَلَاءِ أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، فَإِذَا عَصَيْتُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ قُومُوا إِلَى صَلٰوتِكُمْ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ

(سیرت النبی لابن ہشام ﷺ الجزء الرابع ص: ۳۴۰)

ترجمہ : ''لوگو! بلاشبہ مجھے تمہارا والی بنایا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر تو نہیں، اس لئے اگر میں اچھے کام کروں تو تم میری مدد کرنا اور اگر کوئی غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کر دینا، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ اور تمہارا کمزور میرے نزدیک قوی ہے حتیٰ کہ میں ان شاء اللہ اُس کا حق اُس پر لوٹا دوں اور تم سے قوی میرے نزدیک کمزور ہے حتیٰ کہ میں اُس سے حق چھین لوں، کوئی قوم جہاد ترک نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ اُس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے اور کسی قوم میں فواحش نہیں پھیلتیں مگر اللہ تعالیٰ اُن سب پر آزمائش طاری کر دیتا ہے، میری اطاعت کرو اُس وقت تک جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں، پس اٹھو نماز کے لئے، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرماتا ہے۔''

اس اولین خطبہ کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ ذہن کی بالیدگی، جذبوں کی صداقت، رویوں کی صیانت اور امور حکومت سے ہمہ جہت آگہی کا اعلان کر رہا ہے، والی بن چکے تھے مگر نہ اس اعزاز و عظمت پر فخر اور نہ غرور، عجز اور سراپا انکسار کا اظہار، سب سے برتر اور بہتر تھے مگر برملا کہا، والی بنایا گیا ہوں، خود نہیں بنا اور اس لئے

نہیں بنایا گیا کہ سب سے بڑا ہوں یہ تو آپ لوگوں نے ایک ذمہ داری سونپی جو مجھے ادا کرنا ہے، تم سب کو میرے ساتھ کھڑے ہونا ہے حسن عمل پر ساتھ دینا ہے ہاں اگر کہیں غلط اقدام ہونے لگے تو یہ ارادۃً نہ ہوگا اس لئے تمہیں راہنمائی مہیا کر کے سیدھا راستہ بتا دینا ہے، سوچئے اور دنیا پر مسلط حکمرانوں کے مزاج کا اندازہ کیجئے، بھلا حکمران بھی غلطی کرتا ہے وہ تو پوری قوم کی فراست پر بھی حادی ہوتا ہے اُس کی سوچ ہمیشہ ہی درست ہوتی ہے اور اُس کا ہر عمل لائق تحسین ہوتا ہے مگر رسول اکرم ﷺ کے اس نائب اعظم کا رویہ دیکھیے، نہ گھمنڈ نہ فریب نفس، تعاون کی اپیل اور وہ بھی خلوص دل سے، بارگاہ صدیقی سے یہ اعلان کہ صدق ہی امانت ہے معلومات، رائے اور شہادت کا سچا ہونا اور ایمانداری سے ان کا اظہار کرنا ہی ملکی اور قومی عظمتوں کا نشان ہوتا ہے، جھوٹ کیا ہے جو موجود ہے اُس کا اظہار نہ کرنا۔ کیا یہ اپنے ضمیر سے خیانت نہیں کس سلیقے سے صداقت کو اساس ذمہ داری بنا دیا، صرف کسی کا مال لوٹا دینا ہی امانت نہیں، سچے جذبوں کے ساتھ قوم کو اُس کا حق دینا بھی تو امانت ہے دعوؤں کی جلترنگ تو بہت ہے مگر معاشرتی انصاف کا وہ معیار کون قائم کرے گا جس میں قوی اور ضعیف کا فرق حکمرانوں کے نزدیک میزان عدل نہ بنے، اس لئے پہلے روز ہی واضح کر دیا گیا کہ ضعیف جس کا حق چھینا گیا ہے وہی قوی ہے کہ اُس کا حق دلانا سربراہ حکومت کا فرض ہے اور وہ قوی جو کسی کا حق چھین چکا ہے، فیصلہ کاروں کے نزدیک کمزور اور کم تر ہے جب تک اُس سے ناجائز حق واپس نہ لے لیا جائے۔ یہ وہ معیار ہے جس کو اساس بنایا جائے تو حسن معاشرت کی نمود ہوتی ہے اور خوشحال انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے، یہ اندرونی استحکام اور یہ باہمی اعتماد قائم ہو جائے تو کسی معاند قوت کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں رہتی ہاں اگر پھر بھی کوئی وحشی طاقت دست

درازی کرے تو مجموعی قوم کی مجاہدانہ حکمت عملی ہر ذلت سے بچالیتی ہے اس لئے آپ نے دو معاندمحاذوں کی نشان دہی کردی۔ جہاد کا رویہ ترک کردیا جائے تو سر اٹھا کر جینا مشکل ہوتا ہے پھر ایسی قوم کو ذلیل رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے اس لئے حالات کی سنگینی کے باوجود اس قوت بخش اصول کو اپنانے کا اعلان کردیا گیا، یہ بھی واضح کردیا کہ بدکاری، بدعملی اور فحش پرستی کا رویہ جس قوم میں عام ہوجاتا ہے اسے عیش وعشرت کا یہ ناسور اس حد تک کھوکھلا کردیتا ہے کہ ہر مصیبت، ہر بلا اور ہر آزمائش اُس پر حملہ آور ہوجاتی ہے، اس لئے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی متنبہ کردیا گیا، یہ احکام اور راہنمائی کے یہ اصول شخصی پسند و ناپسند یا ذاتی نظریات کا نتیجہ نہ تھے بلکہ یہ تو اطاعت شعاری کا فیض تھے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہر لحہ حاصل تھا، اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ ہی معیار ہے جب تک اس اطاعت کی پاسداری رہے احکام مانتے رہو اور اگر کسی وقت اور کسی مرحلے پر معصیت کی طرف جھکاؤ دیکھو، وہ ارادۃً ہو یا سہواً، اطاعت امیر واجب نہ رہے گی، اس سے صاف واضح ہوگیا کہ اسلامی نظام حکومت میں حکمران صرف نیابت کے منصب پر فائز ہوتا ہے اور اپنے ہر ہر عمل میں نیابت کے اصول پر پرکھا جاتا ہے۔ یہ پہلا خطبہ تھا جو حکمرانی کی روش کو واضح کررہا تھا غور کیجئے وہ کیا لحہ ہوگا جب خلیفہ اول، اصحاب کے سامنے اپنے منشورِ حکومت کی وضاحت کررہا ہو گا، بات مکمل ہوئی تو فرمایا آؤ، آٹھو نماز ادا کرنے کے لئے "نماز اطاعت شعاری کا سب سے بڑا حوالہ ہے، جب سر بارگاہ صمدیت میں جھکنے کے عادی ہوجاتے ہیں تو اُن میں اصول وضوابط کے سامنے جھکنے کی روش پیدا ہوجاتی ہے اور یہی روش رحمتوں کی مستحق قرار پاتی ہے۔ خطبہ کا ایک ایک کلمہ اعلان حق ہے جو ہر آنے والے حکمران کے لئے راہنما طریق عمل ہے۔

خلیفہ اول

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے، اسلامی ریاست کو عہد رسالت کے بعد کی کیفیات سے گزرنا تھا اور ہمیشہ کے لئے طرز حکمرانی کا اسوہ قائم کرنا تھا، یہ نہایت مشکل مراحل تھے، ان مشکلات کو ایک نظر دیکھئے کہ یہ کس قدر گھمبیر تھیں۔

☆ نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہرہ میں موجودگی، ملی مرکزیت کی وہ اساس تھی جس پر کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی اس لئے ہر گردن بارگاہ نبوی میں جھکی ہوئی تھی مگر اب ملت کا ایک فرد حکمران تھا جس سے اختلاف کی بھی گنجائش تھی اور جس کے اقدامات کو بعض توجیہات کی بھی ضرورت تھی، اس فرق کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری تھا اور نظم حکومت کی استواری بھی لازم تھی۔

☆ نبی اکرم ﷺ کی مسلسل کامیابیاں اور اسلامی ریاست کے استحکام کی تمام صورتیں ایسی تھیں جن سے بعض خودنگر عناصر اپنے اقتدار کے خواب دیکھنے لگے تھے اُن کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ نبی ہونے سے ایسا اقتدار مل جاتا ہے اس لئے انہوں نے اقتدار کی ہوس میں نبی ہونے کا دعویٰ مناسب جانا۔ اسی طرح چند طالع آزما نبوت کا دعویٰ کرنے لگے، یہ خواہش عہد نبوی ہی میں ورغلانے لگی تھی، اسود عنسی، جو یمن کے خوشحال معاشرے میں رہ رہا تھا ایسے ہی خبط کا شکار ہوا۔ نبی اکرم ﷺ کو جب اس ادعاء نبوت کی اطلاع ملی تو اس کے سد باب کا حکم نافذ فرما دیا یہ حکم اس قدر جلد نافذ ہوا کہ حیات ظاہرہ ہی میں نبی اکرم ﷺ کو اس کے قتل کی خبر ہوگئی اور یوں فتنہ پنپنے بھی نہ

پایا تھا کہ فرو ہو گیا، مسیلمہ کذاب نے بھی نبی رحمت ﷺ کی موجودگی میں ہی ایسا سوچنا شروع کر دیا تھا، بنو حنیف کے طاقت ور قبیلے کا یہ فرد یمامہ کے علاقے میں زور پکڑ رہا تھا اُس نے دربار رسالت میں تقسیم ریاست کے مطالبے پر مشتمل خط بھی تحریر کیا تھا جس کے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اس دعویٰ کی تردید کی بلکہ، کذاب بھی کہا اور ریاست پر حکمرانی کا قرآنی اصول بھی ارشاد فرما دیا مگر اس مدعی نبوت کے مذموم ارادوں میں خواہش اقتدار نے واضح اعلان کی ترغیب شامل کر دی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر آئے ہی تھے کہ مسیلمہ کذاب کی فتنہ سامانیوں کی خبر مل گئی۔ طلیحہ بن خویلد قبیلہ اسد کا ایک فرد بھی دعویٰ نبوت کی روش پر چل پڑا۔ اور تو اور ایک عورت سجاح بھی مدعیہ نبوت بن گئی یوں محسوس ہوتا ہے کہ اقتدار کی خواہش نے ان لوگوں کو یہ راہ دکھائی تھی اور وہ سمجھ رہے تھے کہ اس طرح کئی علاقے فتح کیے جا سکتے ہیں۔ ان لوگوں کو مزید حوصلہ نبی اکرم ﷺ کے پردہ فرمانے سے ملا کہ شاید اب اسلامی جمعیت کی پہلی سی مرکزیت قائم نہ رہ سکے اور مسلمانوں کی طرف سے مزاحمت بھی کمزور پڑ جائے۔ اس لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مسند خلافت سنبھالتے ہی ایسے شوریدہ سروں سے واسطہ پڑا جو ایک نوخیز ریاست کے لئے انتہائی مشکل امتحان تھا۔

☆ نبوت کا اعلان کرنے والے یہ دنیا دار ایک بھیانک صورت حال پیدا کرنے میں کامیاب ہو رہے تھے مگر ان سے بھی زیادہ وہ خطرہ اسلامی قوتوں کے اتحاد میں رخنہ پیدا کر رہا تھا جو مدینہ منورہ کی مرکزیت سے

انحراف کرتا تھا، بدقسمتی یہ ہوئی کہ زکوٰۃ کو ایک خراج سمجھا گیا جو تمام مفتوحہ علاقے مرکز کو ادا کرتے رہے تھے۔ اب یہ خیال سر اٹھانے لگا کہ نبوی اقتدار کے سامنے خراج پیش کرنا تو لازم تھا کہ نبی ہی مرکزی وجود ہوتا ہے مگر اب تو حکمرانی ہم ایسے فرد کے پاس ہے اس لئے خراج کیوں، نماز و روزہ کی پابندی کے باوجود بعض انا پرستوں میں زکوٰۃ سے انکار کا فتنہ پیدا ہوا، یہ ایسا فتنہ تھا جس پر بعض اکابر بھی فوج کشی کو مناسب نہ جانتے تھے یہی وہ لمحہ تھا جب ارکان اسلام کی عظمت ثابت کرنا ضروری ہوا یہ عظیم کارنامہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دینی بصیرت سے ہی انجام پایا۔

☆ نبی اکرم ﷺ نے غزوہ موتہ کے اثرات کے تمام منفی پہلوؤں کے ازالہ کے لئے ایک لشکر ترتیب دیا تھا جس میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے مگر اس لشکر کی سربراہی، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے کے صاحبزادے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو تفویض فرمائی تھی، یہ لشکر ابھی مدینہ منورہ کے مضافات میں تیاری کے مرحلوں میں تھا کہ نبی اکرم ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے اب اس لشکر کو روانہ کرنے یا روک لینے کا اہم فیصلہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کرنا تھا۔

☆ اسلامی ریاست کے لئے استحکام کا تقاضا تھا کہ مسلمان لشکر ہر جانب روانہ ہوں کہ نئے حالات میں کوئی فتنہ برپا کرنے کی کوشش نہ کرے، ریاست کے استحکام کی اس کاوش میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا کردار انجام دینا تھا۔

☆ قرآن مجید جو تیئیس سال کے قریب کے عرصے میں نازل ہوتا رہا تھا، کی

تدوین کا مسئلہ بھی توسیع سلطنت کے اثرات میں نمایاں ہو گیا تھا اس لئے
جمع و تدوین قرآن ایک دینی فریضہ کے طور پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے
سامنے تھا، اس پر آپ کو واضح طریق کا متعین کرنا تھا۔

یہ وہ مسائل تھے جو نیابت کے منصب پر فائز ہوتے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کو پیش آئے، تاریخ اسلام میں ان کے بارے میں تفصیلات موجود ہیں، ان مسائل کا
صرف مختصر تذکرہ ہی درج کیا جا رہا ہے، ان اندرونی مسائل کے ساتھ ساتھ ریاست
اسلامی کو وسیع بھی ہونا تھا، مخالف قوتوں سے ٹکرانا بھی تھا اور اسلامی تعلیمات کو دنیا میں
مزید پھیلانا بھی تھا۔ تبلیغ و توسیع اور دفاع کی خاطر مجاہدین کے لشکر بھی تیار ہوئے اور
سپہ سالاران قوم نے شجاعت و قوت کے کئی کارنامے رقم کئے، یہ کارنامے بھی عہدِ صدیقی
کا حصہ ہیں، اس مختصر مضمون میں ان معرکوں کی تفصیل تو پیش نہیں کی جا سکتی صرف
اشارے کئے جائیں گے، تاریخ اسلام کا ہر ماخذ ان معرکوں کی تفصیل سے مزین ہے۔

مرکزیت مدینہ منورہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے پہلا کام اُس مرکزیت کو قائم
رکھنا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے بعد بعض نو مسلموں کی خواہشات، خواہ مذہبی ہوں یا
سیاسی، کی وجہ سے معرض خطر میں تھی، بعض قبائلی سردار یا تو اسلام سے باغی ہو گئے تھے
یا مسلمان رہتے ہوئے بھی اپنی خود مختاری کے لئے بغاوت کرنے لگے تھے، حضرت
ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس عمومی فضا کو سازگار بنانے کے لئے متعدد لشکر روانہ کئے،
مسلمان لشکر کے سب سپہ سالار اس قدر دلیر اور مرد میدان ثابت ہوئے کہ جلد ہی
حالات درست ڈگر پر آ گئے۔ حضرت علاء الحضرمی، حضرت حذیفہ بن محصن اور

حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم نے بحرین، عمان اور کندہ کے علاقوں میں اسلامی ریاست کی حاکمیت کو پوری قوت سے نافذ کر دیا اور یہ خیال کہ وہ مرکز سے دور تھے اس لئے مرکزی حکومت کی گرفت میں نہ آ سکیں گے، باطل قرار پایا۔ ان مہمات سے مرکز کی قوت نمایاں ہوگئی۔

مرتدین کی سرکوبی

ارتداد دو صورتوں میں نمودار ہو رہا تھا ایک تو یہ کہ بعض جاہ پسند اپنے نفس کے فریب میں آ کر نبوت کے دعوے کرنے لگے تھے، یہ تو وہ فتنہ تھا جس کو اگر ایک لمحہ بھی نظرانداز کر لیا جاتا تو امت مسلمہ کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا، یہ مقام نبوت کی توہین بھی تھی اور وجود کامل ﷺ کے سامنے مثلیت کی جسارت بھی تھی، دوسرا ارتداد بالکلیہ علیحدگی کا ترجمان نہ تھا مگر مرکز گریز رجحانات کو تقویت دے کر اسلامی قوت کو کمزور کرنے کا ذریعہ تھا اور یہ کہ عبادات کے مربوط نظام کو مسمار کرنے کی خواہش کا علمبردار تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں فتنوں کو قوت ایمانی سے کچل ڈالا مثلاً

مدعیات نبوت کا خاتمہ

☆ اسود عنسی کا فتنہ تو مقامی آبادی کے اختلاف سے ہی بے توفیق ہو گیا تھا، پھر اُس کا قتل جو عہد رسالت میں ہی ہو گیا، اس فتنے کے فرد ہونے کا باعث تھا مگر یہ ضرور ہوا کہ اس جاہ پسند مرتد نے بدی کا ایک ایسا راستہ کھول دیا جس کی صدائے بازگشت صدیوں تک بلکہ آج تک کہیں نہ کہیں سے سنائی دے رہی ہے، دوسرا مدعی نبوت طلیحہ بن خویلد تھا جس نے کافی اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کی سرکوبی کے لئے

بھیجے گئے، بزاخہ کے معرکہ میں طلیحہ کے لشکر کو ایسی شکست ہوئی کہ طلیحہ بھاگ نکلا اور اس کے زیر اثر بنو اسد کا علاقہ از سر نو مطیع ہو گیا۔ طلیحہ نے بعد میں دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور مسلمان لشکر میں شامل ہو گیا۔ مسیلمہ کذاب جو بنو حنیف کا سردار تھا اُس نے جیسا کہ ذکر کیا گیا، تقسیم سلطنت کی خواہش کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اُس کا دعویٰ نبوت کس مقصد کے لئے ہے، اس نے یمامہ کے علاقہ میں جو عصر حاضر میں سعودی عرب کے دار حکومت ریاض کا قرب و جوار تھا، بہت قوت پالی تھی اور ایک بڑا لشکر اکٹھا کر لیا تھا، انہی ایام میں بنو تمیم کی ایک عورت سجاح نے بھی اعلان نبوت کر دیا، اُس نے مزید فتنہ گری کے لئے مسیلمہ سے شادی کر لی، اس طرح دو جھوٹے نبیوں کی قوت یکجا ہو گئی۔ یاد رہے بنو تمیم کا علاقہ بھی ریاض شہر سے کچھ ہی فاصلے پر ہے جسے آج بھی حوطہ تمیم کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ بدی کی سب سے بڑی قوت تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس قوت باطلہ کو محصور رکھنے کے لئے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھ حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جوان تھے انہوں نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا اور نقصان اٹھایا، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سخت ناراض بھی ہوئے اور تہدید آمیز خط بھی لکھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، طلیحہ کے معرکے سے فارغ ہو چکے تھے اس لئے ان کو معاونت کے لئے فوری روانگی کا حکم دیا گیا سخت معرکہ ہوا، دونوں اطراف کا بہت نقصان ہوا۔ شہداء میں حفاظ قرآن کی ایک بڑی تعداد شامل تھی، شدید مقابلے کے بعد لشکر اسلام نے مسیلمہ کا زور توڑ دیا، وہ خود وحشی

بن حرب رضی اللہ عنہ (یاد رہے یہ وہی ہیں جنہوں نے جنگ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا سوچتے رہتے تھے شاید مسیلمہ کا قتل ہی کفارہ بنا) کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ اسی طرح مدعیانِ نبوت کا سارا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

آیئے یہاں ذرا ٹھہر کر سوچیں کہ یہ فیصلہ اور اس کے نتیجہ میں برپا ہونے والے یہ معرکے کس قدر اثر آفریں تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کردار کے چند پہلو، ان معرکوں سے آشکار ہوتے ہیں۔

☆ ایک یہ کہ محبِ صادق تمام خطرات سے بے نیاز عظمت رسالت کے تحفظ میں کس بے جگری سے آگے بڑھا، عشق رسول ﷺ کا ساجذبہ ایمانی حرارت کی اساس بن جائے تو کوئی دوسرا برداشت ہی نہیں ہوتا اس لیے آپ نے اس تقاضائے محبت کی ادائیگی میں توقف نہیں کیا۔

☆ دوسرے یہ کہ ختم نبوت پر آپ کا ایقان کس حد تک تھا کہ کسی مدعی نبوت سے دلیل تک نہ پوچھی، کوئی علمی مجادلہ نہ کیا، ممکن ہے یا ناممکن، اس تذبذب کا ایک لمحہ بھی شکار نہ ہوئے۔ یہ ایمان کی وہ منزلت تھی جس میں دوسرا خیال بھی محال تھا۔ سوچئے کیا ہم نے متنبی عصر کے حوالے سے ایمان صدیقی کا مظاہرہ کیا؟ سر بسر شرمندگی ہے کہ ایسا نہ کر سکے، اسی کا خمیازہ پوری امت مسلمہ آج تک بھگت رہی ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا محبت رسول ﷺ کا یہ عملی مظاہرہ ہر دور کا امام رہے گا کہ اسی میں امت کی نجات ہے۔

منکرین زکوٰۃ کا محاسبہ

زکوٰۃ سے انکار اگرچہ بدوی کردار کا شاخسانہ تھا مگر اس کے سیاسی اثرات اس قدر گہرے تھے کہ ملت اسلامیہ کو ہمیشہ کے لئے مرکزیت سے دستبردار ہونا تھا اور دوسرا سبب جو بنیادی سبب تھا یہ کہ ''عبادات'' کی مضبوط عمارت میں یہ ایک رخنہ تھا جس کے مستقبل میں مزید پھیل جانے کا امکان تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس رمز عبادت کو پالیا تھا اس لئے بعض مخالف آراء کے باوجود اُن کی استقامت دیدنی تھی، کہا گیا کہ یہ صرف زکوٰۃ کا انکار کر رہے ہیں، نماز تو پڑھتے ہیں مگر آپ نے برملا فرمایا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اُس سے جہاد کروں گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے پردہ فرمانے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہونے کے بعد عربوں میں سے بعض نے کفر اختیار کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب ان منکرین سے قتال کا ارادہ کر لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا ہم ان لوگوں سے قتال کیسے کریں گے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے لوگوں سے اُس وقت تک قتال کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں، تو جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اُس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان بچالی مگر یہ کہ جو اُس مال پر حق ہے اور پھر اُس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے تو اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

﴿ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ ﴾ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الامر بقتال الناس)

ترجمہ: ''میں یقیناً اُس سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتا ہے کہ بلاشبہ زکوٰۃ مال کا حق ہے''۔

اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وہ مصمم ارادہ واضح ہوگیا جو عبادات کے حوالے سے ہر عبادت کے متعلق آپ نے قائم کیا تھا، یہ ارادہ بتا رہا ہے کہ صیانت دین کا اُن کے ہاں مرتبہ و مقام کیا تھا، پھر فرمایا:

﴿وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالاً كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهٗ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهٖ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَوَاللّٰهِ مَاهُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللّٰهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِیْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب الامر بقتال الناس)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کی قسم اگر وہ مجھ سے ایک رسی بھی روکیں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو میں اُن سے اس روکنے پر جنگ لڑوں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بس پھر میں جان گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ قتال کے لئے کھول دیا ہے اور میں سمجھ گیا کہ وہی حق تھا''

یہ روایت صحیح البخاری کتاب الزکوۃ باب اخذ العناق فی الصدقۃ میں معمولی اختلاف کلمات کے ساتھ موجود ہے کہ عقال کے بجائے عناق (بھیڑ کا بچہ) ہے اور اسی مناسبت سے مَنْعِهٖ کے بجائے مَنْعِهَا ہے کہ عقال مذکر تھا اور عناق مونث''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دینی غیرت کا اندازہ بھی اس روایت سے ہوتا ہے اور منصبی ذمہ داریوں کے مکمل شعور کا اظہار بھی اسی سے ہو رہا ہے، ریاست اسلامی کے سربراہ کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو رائج کرے اور اگر کہیں ان کی ادائیگی میں ارادۃً کوتاہی ہونے لگے تو شدت سے اس کا سد باب کرے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ثابت کر دیا کہ وہ منصبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی قوت بھی رکھتے تھے اور ارادہ بھی۔ کیا یہ ارادہ بار آور ہوا؟ تاریخ اسلام کے اوراق اس کی آج تک شہادت دے رہے ہیں، مالک بن نویرہ جو اپنے خاندان کا بلند قامت سردار تھا انہیں معرکوں میں کام آیا، آپ نے یہاں تک ثابت قدمی دکھائی کہ بعض ... لشکر بھجوائے تو بعض قبائل مثلاً بنو عبس اور بنو ذبیان جیسے نامور قبائل سے نبرد آزمائی میں خود بھی تشریف لے گئے یہ اُسی عزم صادق کا ثمر ہے کہ ارکان اسلام میں سے ایک ایک رُکن اب تک پوری ملت اسلامیہ میں مکمل وابستگی کے ساتھ اپنایا جارہا ہے۔

اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہما کی سپہ سالاری

آٹھ ہجری میں شام کی سرحد کی جانب سے ایسی خبریں آرہی تھیں جن پر توجہ دینا ضروری تھا، فیصلہ ہوا کہ ایک لشکر سرحد شام کی طرف روانہ کیا جائے جو امکانی رومی حملہ کا راستہ روک لے۔ دشمن کی تعداد دو، اڑھائی لاکھ بتائی جاتی ہے اتنے بڑے لشکر کا سامنا کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ کرتے وقت تین سپہ سالار نامزد کئے گئے، یہ تاریخ عزیمت کا پہلا واقعہ تھا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا گیا مگر ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو کمان حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ہوگی اور حیرت یہ ہے کہ یہاں تک فرمایا گیا اگر عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو جائیں تو امارت کا فیصلہ کر لیا جائے۔ یہ جنگ اس قدر شدید تھی کہ فرمان نبوی حرف بحرف پورا ہوا، تینوں سپہ سالار شہید ہو گئے اور بالآخر کمان حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ملی جو اس معرکہ میں سرخرو رہے، یہ غزوہ موتہ دیرپا اثر کا حامل تھا۔ پھر فتح مکہ کا مرحلہ آیا، فتح مکہ کے بعد متصلاً بعض اہم امور انجام دیئے گئے۔

حجۃ الوداع کی ادائیگی کا مرحلہ بھی آیا، ذرا فرصت ملی تو ایک لشکر تیار کیا گیا۔ اس کی امارت حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوئی، اس لشکر کی اہمیت کا یوں اندازہ کیجئے کہ اس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کئی اکابر صحابہ شامل تھے، رسول اکرم ﷺ کی طبیعت ناساز بھی تھی مگر لشکر کو روانگی کا حکم دیا گیا، ماحول میں کچھ چہ میگوئیاں ہوئیں کہ اس قدر عظیم لشکر اور سپہ سالار تقریباً اٹھارہ سالہ جوان، رسول اکرم ﷺ کو ان زیر لب باتوں کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ بیماری کے باوجود مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر آ کر مختصر مگر انتباہ خیز خطبہ دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿اِنْ تَطْعَنُوا فِیْ اِمَارَتِہٖ فَقَدْ کُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِیْ اِمَارَۃِ اَبِیْہِ مِنْ قَبْلُ وَایْمُ اللّٰہِ اِنْ کَانَ لَخَلِیْقًا لِلْاِمَارَۃِ وَاِنْ کَانَ لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ وَاِنَّ ھٰذَا لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ بَعْدَہٗ﴾

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب بعث النبی ﷺ اسامہ بن زیدؓ)

ترجمہ: ''اگر تم اس کی یعنی اسامہ کی امارت پر طعن کر رہے ہو تو تم اس کے باپ زید کی امارت پر بھی طعن کرتے تھے اور اللہ کی قسم اگر وہ امارت کے اہل تھا اور اگر وہ مجھے سب سے زیادہ پیارا تھا تو بے شک یہ بھی اُس کے بعد مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔''

یہ اعلان تھا حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی اہلیت کا، اسی لئے لشکر تیار ہوا اور روانہ ہو گیا، ابھی مدینہ منورہ سے ایک فرسخ ہی گیا تھا کہ مقام جُرف پر ٹھہر گیا

کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی علالت کی خبریں آ رہی تھیں اور یہی ہوا کہ لشکر ابھی ٹھہرا ہوا ہی تھا کہ نبی اکرم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور یہ مہم ملتوی کرنا پڑی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اُن کی پہلی خواہش تھی کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا لشکر روانہ ہو جائے بعض اصحاب نے حالات کی نزاکت کا حوالہ دیا، بعض نے نادیدہ خطرات کی نشاندہی کی مگر رضائے رسول ﷺ میں سب کچھ قربان کرنے کا حوصلہ رکھنے والا وجود کسی انتباہ سے مرعوب نہ ہوا، آپ کو صرف ایک دھن تھی کہ کچھ ہو جائے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل ہو جائے، اصرار کرنے والوں نے جب بہت زور لگایا تو عشق و محبت کا علمبردار یوں گویا ہوا:

> ''اگر جنگل کے بھیڑیے مدینہ منورہ میں آ جائیں اور مجھے اٹھا لے جائیں تو تب بھی اُس لشکر کو نہ روکوں گا جس کا رسول اللہ ﷺ حکم دے گئے ہیں''۔

چنانچہ لشکر روانہ ہو گیا دور تک خود پیادہ ساتھ ساتھ چلے اور نرمی، حسن سلوک، ضعیفوں کی حفاظت اور پھل دار درختوں کو نہ کاٹنے کی نصیحت کرتے رہے۔

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بے قرار تھے کہ وہ سوار ہیں اور آپ پیدل چل رہے ہیں بار بار اُترنا چاہا کہ حد ادب کا تقاضا تھا مگر روک دیا، انہوں نے سوار ہونے کے لئے کہا تو بھی انکار کر دیا اور فرمایا:

> ''یہ دونوں کام نہ ہوں گے، نہ تم اترو گے اور نہ میں سوار ہوں گا، میں تو اسی لئے پیدل چل رہا ہوں کہ کچھ دیر میرے قدم راہ جہاد کی گرد سے آلودہ ہوں''۔

بہر کیف لشکر روانہ ہوا اور جس اعتماد کا نبی اکرم ﷺ نے اظہار فرمایا تھا اُس پر لشکر پورا اُترا، صرف چالیس روز کی اس مہم سے سرحد شام ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی بلکہ آئندہ کی تگ وتاز کے لئے ہموار ہوگئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے انتظام سلطنت کے حوالے سے وہی بنیادی مسائل تھے جو پوری ریاست کے لئے انتہائی اہمیت کے حامل تھے، ایک عمومی شورش جو بدوی مزاج کے مطابق تھی کہ وہ کسی مرکزی حکومت سے کبھی آشنا نہ رہے تھے، مدعیان نبوت کا فتنہ بھی دراصل انا پسندی اور جاہ پسندی کا مظہر تھا کہ وہ نبوت کو بھی اپنے اپنے قبیلوں کے حوالے سے دیکھنا چاہتے تھے، یہ بھی دراصل مرکز گریز خواہشات کا شاخسانہ تھا، منکرین زکوٰۃ تو تھا ہی بدوی ذہنیت کا فتنہ، یہ سب داخلی محاذ کے مسائل تھے جنہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کمال حوصلے، بے پناہ قوت ارادی اور اتباع رسالت کے عمیق جذبوں کے سہارے حل کیا، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مہم، محبت رسول ﷺ کا مظہر بھی تھی اور خلافت صدیقی کی قوت کا اعلان بھی، اس مہم سے شامی سرحد ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی، اس طرح خلافت اُس توانائی سے آشنا ہوگئی جو ایک مستحکم ریاست کی ضرورت ہوتی ہے، یہی استحکام فتوحات کے ایک طویل سلسلے کا سبب بنا، کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوحات کے چہار جانب سلسلے کی بنیاد اسی دور ہمایوں میں رکھ دی گئی تھی، اس پیش قدمی میں کئی مشکلات حائل تھیں، سب سے مشکل مرحلہ یہ تھا کہ احباب کی آراء مختلف تھیں، نوخیز ریاست کے جو مسائل ہوتے ہیں وہ احباب کو ست روی پر مجبور کر رہے تھے، اس اختلاف رائے کے بعض مظاہر شدید بھی تھے حتیٰ کہ اکابر صحابہ بھی بعض فیصلوں کو مؤخر کرنے پر اصرار کر

رہے تھے، ایسے مواقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پر جلال استقامت تاریخ استقامت کو ایک نیا رخ عطا کر رہی تھی۔ روایات میں بعض جملے تاریخ عزیمت کا آج تک جھومر ہیں، ارتداد کے مرکوں میں مانعین زکوٰۃ سے قتال کو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تعجیلی کاروائی سمجھ رہے تھے اس لئے مؤخر کرنے پر اصرار کرتے تھے مگر ایسے ہی ایک موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے شدید تر جملہ نکلا جس پر خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پریشانی کا اظہار کرتے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔

﴿ فَأَلِفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ ﴾

ترجمہ: ''لوگوں کے ساتھ الفت سے پیش آیئے اور ان کے ساتھ نرمی کیجئے''

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب تھا:

﴿ أَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ إِنَّهُ قَدِانْقَطَعَ الْوَحْيُ وَتَمَّ الدِّيْنُ أَيُنْقَصُ وَأَنَا حَيٌّ ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکرؓ بحوالہ رزین)

ترجمہ: ''آپ جاہلی دور میں تو سخت تھے اب اسلام میں کمزور ہو گئے ہو، بلاشبہ وحی ختم ہو گئی ہے اور دین مکمل ہو چکا ہے، کیا دین میں کمی کردی جائے حالانکہ میں زندہ ہوں''

کس جلال کا بیان ہے کہ اسلام کمزوریوں کا دین تو نہیں اور پھر یہ کہ میں ہوں تو دین کم کیسے کیا جاسکتا ہے، یہ اپنے ایمان پر اعتماد بھی تھا اور یقین کی راسخیت کا اظہار بھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی ایک مشن کے گرد جاری رہی کہ دین حق کا بول بالا بھی ہو اور دین کسی قطع وبرید سے محفوظ بھی رہے۔ اگر آپ کی زندگی کو کوئی ایک عنوان دیا جاسکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ ہر صورت نبی اکرم ﷺ کی ذات کے

ساتھ گرویدگی اور بہر نوع آپ ﷺ کی تعلیمات کا تحفظ اور ترویج۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ریاست کے معاملات میں اس قدر منہمک رہے تھے کہ بادیٔ النظر میں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ کوئی علمی، سماجی یا معاشرتی پیش رفت کے لئے اُن کے پاس کوئی موقعہ نہ رہا ہوگا، بدیہی طور پر یہ بات قیاس کے عین مطابق ہے، یہ بھی پیش نظر رہے کہ آپ کا دور خلافت بہت مختصر رہا یعنی صرف دو سال تین ماہ اور گیارہ روز، اس مختصر عرصے میں فتنوں کو بھی دبانا تھا اور عہد رسالت کے تسلسل کو بھی مستحکم کرنا تھا، رسول اکرم ﷺ کے بعد متصلاً عنان حکومت سنبھالنا ایک آزمائش تھی مگر آپ نے مکمل یکسوئی کے ساتھ تمام معاملات کو اُسی انداز میں آگے بڑھایا جو انداز رسول اکرم ﷺ کی حیات ظاہرہ میں متعین ہو چکا تھا، اتباعِ تمام کی یہی روش ہے جس کی عظمت کو سلام پیش کرتے ہوئے بعض مورخین، جن میں عصر حاضر کا مورخ محمد حسین ہیکل بھی شامل ہے، دور صدیقی کو دور رسالت کا تتمہ وتکملہ ہی خیال کرتے ہیں، دراصل یہ مورخین کا خراج عقیدت ہے کہ کس طرح نئے حالات میں تلقین کئے گئے امور کو باقی رکھا گیا، پھر یہ بھی نہ ہوا کہ صرف ماسبق کا تحفظ ہوا بلکہ ایک قابل قدر پیش رفت بھی ہوئی۔ شام اور عراق دو ہی اطراف تھے جہاں توسیع ریاست ممکن تھی کہ یمن اور امارات تک اسلام داخل ہو چکا تھا، وہاں صرف استحکام ریاست کا عمل باقی تھا مگر شام اور عراق میں آگے بڑھنا تھا۔ آپ اس پیش رفت سے غافل نہیں رہے، عراق کی طرف پیش قدمی کے لئے مثنیٰ بن حارثہ شیبانی، جو وہاں کے حالات و کوائف سے بخوبی آگاہ تھے، کو کمان دی گئی، انہوں نے اپنے تاریخی فیصلوں سے اپنی اہلیت ثابت کر دی شام کی جانب مقابلہ سخت تھا اسی لئے عہد رسالت میں غزوہ موتہ

اور غزوہ تبوک ہو چکے تھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا لشکر بھی اسی علاقے کو ہموار کرنے کے لئے گیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی کمان میں سرحد شام پر بڑی واضح کامیابیاں ہوئیں، فلسطین کے علاقوں میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نمایاں خدمات انجام دے رہے تھے کہ ارتداد کے فتنوں سے فارغ ہو کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی مدد کو پہنچ گئے اجنادین کا معرکہ تاریخ کے سینے میں اب تک محفوظ ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہمہ جہتی کاوش تھی جو نہائت خوش اسلوبی سے جاری رہی، ان مرکوں کے اثرات دیرپا رہے اور اسلامی ریاست مسلسل پھیلتی رہی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان کارہائے نمایاں کے ساتھ وہ کارنامے بھی اہمیت کے حامل ہیں جو آپ نے تحفظ دین اور صیانت احکام کے سلسلے میں انجام دیئے، ایک ایسے کارنامے کا تذکرہ اُن کی عبائے فضیلت کا ایک اور تابدار جوہر ہے۔ آیئے اُس پر نظر ڈالیں۔

جمع وتدوین قرآن

قرآن مجید، الہامی کتب میں سب سے آخر میں، سلسلہ نبوت و رسالت کے خاتم نبی اعظم ﷺ پر نازل ہونے والا صحیفہ ہے۔ اس الہام کی ابتداء ''اِقرأ'' سے ہوئی اور پھر یہ نسخہ ہدایت تقریباً بائیس سال اور چھ ماہ تک نازل ہوتا رہا، پروردگار عالم نے اس تنزیل میں تدریج کی اہمیت کو واضح کیا ہے، لوگ کہتے تھے کہ قرآن مجید یکبارگی کیوں نہ نازل ہو گیا جواب یہ تھا۔

﴿ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴾

(الفرقان:۳۲)

ترجمہ: ''یہ اس لئے ہوا کہ ہم اس سے آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور (اسی لئے) کہ ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھایا ہے''

یہ سلسلہ نزول غار حراء سے شروع ہوا اور تکمیل دین اور اتمام نعمت کے آخر تک جاری رہا۔ رسول اکرم ﷺ خود اپنی نگرانی میں آیات وسُور کی ترتیب لگاتے تھے، کتابتِ قرآن حکیم کے لئے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم مقرر تھے جو کتابت کے فن سے آشنا تھے ان میں حضرت ابوزید انصاری، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو سبقت حاصل تھی، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بھی حفاظت قرآن کے مشن میں برابر کے شریک تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس حوالہ سے ذکر بڑا نمایاں ہے، ان کے علاوہ بھی متعدد افراد جمع وتدوین قرآن میں اپنی اپنی بساط کے مطابق حصہ لے رہے تھے۔ ان میں سے جو موجود ہوتے نبی اکرم ﷺ اُن کو وہ آیات لکھادیتے جو اُس لمحے نازل ہوتی تھیں، نبی المعلم ﷺ صرف آیات ہی نہ بتاتے، ان آیات کو کہاں درج کرنا ہے، کن آیات کے بعد اور کن آیات کے شروع میں یہ آیات لکھی جائیں گی، یہ ساری تفصیل بھی سمجھا دیتے۔ روایت یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کسی کاتب وحی کو بلاتے اور فرماتے:

"ضَعْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا و كَذَا"

(سنن اُبی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب من جھر بھا)

ترجمہ: "اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ لو"

اس طرح قرآن مجید جمع بھی ہوتا رہا اور اس کی ترتیب بھی مکمل ہوتی گئی۔ عرب کے اُس معاشرے میں کاغذ کی دستیابی آسان نہ تھی اس لئے کتابت کے لئے موجود ذرائع میں سے جو سامنے ہوتا استعمال کیا جاتا رہا، ورق مل جاتا تو اس پر لکھا جاتا وگرنہ کھجور کی چوڑی اور ہموار شاخوں پر تحریر کیا جاتا یا پتھر کی سفید صاف اور چوڑی سلوں پر رقم کیا جاتا، وسائل کی کمی تھی مگر اشتیاق حفاظت کا جذبہ کئی راہیں تلاش کر رہا تھا۔ اس

سب اہتمام کے باوجود جو سب سے مؤثر اور مروج ذریعہ تھا وہ حفظ تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آیات کو سنتے اور یاد کر لیتے اس طرح سینے جمع قرآن کا سب سے طاقت ور اور پر اعتماد ذریعہ ثابت ہوئے، اس کا شوق بھی دلایا گیا اور ترغیب بھی دی گئی، خود قرآن مجید نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ پروردگار فرماتا ہے۔

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ﴾ (القیامۃ:۱۷)

ترجمہ: ''بے شک اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہم پر ہے''

اس سے وہ دباؤ ختم ہو گیا کہ اگر کوئی کوتاہی ہو گئی تو کیا ہوگا مگر اس اعتماد کے ساتھ ترغیب کے اشارے بھی دیئے گئے فرمایا:

''بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ''

(العنکبوت:۴۹)

ترجمہ: ''بلکہ یہ تو وہ روشن آیات ہیں جو اُن لوگوں کے سینوں میں ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا''

اہل علم کے سینوں کو قرآن مجید کی حفاظت کا مخزن بنایا گیا، ساتھ یہ بھی اعلان ہوا کہ

''بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ''

(البروج:۲۱،۲۲)

ترجمہ: ''بلکہ یہ تو مجد و شرف والا قرآن ہے جو لوح محفوظ میں ہے''

اس طرح اہل علم کے سینوں کو محفوظ لوح کا مصداق قرار دے دیا گیا۔

قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کان، گوش حق نیوش کے ساتھ اس کو محفوظ کرتے، اس طرح حفاظ کرام کی ایک بڑی

تعداد تیار ہوگئی، بڑمعونہ کے واقعہ اور جنگ یمامہ کے ذکر میں ستر ستر حفاظ کی شہادت کی خبر دلیل ہے کہ حفظ قرآن کو اسلامی معاشرے میں سرافرازی حاصل تھی۔ رسول رحمت ﷺ ہر رمضان جس قدر قرآن کی آیات و سُور نازل ہو چکی ہوتی تھیں اُن کا جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور کرتے تھے اور دنیا سے تشریف لے جانے والے سال یہ دور، دومرتبہ ہوا تھا۔ اس طرح قرآن مجید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثر کو یاد ہوگیا تھا کہ خود نبی اکرم ﷺ اس کی تربیت دیتے اور مشق کراتے تھے، تحریر کے حوالے سے بھی قرآن مجید محفوظ تھا کہ جو کاتبین وحی لکھتے تھے وہ اگرچہ مربوط اجزاء نہ تھے مگر وہ سب رسول اللہ ﷺ کے کاشانہ اقدس میں محفوظ تھے اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی تحریری دستاویزات محفوظ تھیں۔

جمع قرآن عہد صدیقی میں

قرآن مجید، مختلف سینوں اور متعدد اوراق، سلوں اور پتوں پر تحریر ہو کر محفوظ ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ارتداد کے فتنوں نے اس قدر ہنگام بپا کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زیادہ وقت انہی معرکوں کی نذر ہوگیا۔ ان معرکوں میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ شدید معرکہ پیش آیا، جنگ یمامہ ایک خوفناک جنگ تھی اس میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے، ان شہداء میں ستر کے قریب حفاظ کرام بھی تھے، اس صورت حال پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تشویش ہوئی اور انہوں نے اس کا ذکر خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی کیا اور مشورہ دیا کہ قرآن مجید کو متفرق اوراق سے اکٹھا کرلیا جائے اور جلد بندی کر دی جائے تا کہ اس کتاب مقدس کی حفاظت ہو جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں تو اتفاق نہ کیا کہ آپ کے نزدیک وہ عمل کیسے ہو جو نبی اکرم ﷺ نے نہیں کیا مگر جلد ہی اس رائے

کی صداقت محسوس کر لی گئی اور فیصلہ ہوا کہ باضابطہ تدوین کا عمل شروع کیا جائے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس بورڈ کا سربراہ مقرر کر دیا گیا، جو جمع قرآن کے لئے کام کرے گا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتخاب اس لئے ہوا کہ آپ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ جب آخری مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ قرآن کا دور کیا تو آپ اس ساعت میں شریک تھے۔ پڑھے لکھے ہونے کی بنیاد پر انہوں نے خود بھی تحریری عمل میں حصہ لیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو تاکید کی تھی کہ شہر کے دروازوں پر بیٹھا کریں تاکہ جو کوئی بھی کوئی تحریر پیش کرنا چاہے اسے آسانی رہے۔ یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ جس کے پاس قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت تحریری شکل میں موجود ہے وہ لے آئے اس پر اوراق چٹانوں یا شاخوں پر لکھی گئی تمام آیات تدوین بورڈ کے سامنے حاضر کر دی گئیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اس قدر محتاط تھے کہ کسی آیت کو ماننے کے لئے کم از کم دو گواہوں کو ضروری سمجھتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلسل اس عمل کی نگرانی کر رہے تھے، تمام دستاویزات کی بنا پر اور حفاظ کرام کے سینوں میں محفوظ عبارات کی روشنی میں ایک مستند سرکاری نسخہ تیار کر لیا گیا، یہ ایسا نسخہ تھا جو ہر شک وشبہ سے پاک تھا کیونکہ یہ اُن مسودات کی بنیاد پر تیار ہوا تھا جو عہد رسالت میں ہی مرتب ہو گئے تھے اور پھر اسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حفظ نے مزید قوت فراہم کر دی تھی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تیار کردہ یہ نسخہ دربار خلافت ہی میں رہا، یہ کسی کو اس لئے نہ دیا گیا کہ سلطنت اسلامیہ کے مختلف علاقوں کے لوگ اس سے اپنے ہاں کے نسخوں کو مستند بناتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ صحیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور آپ کے بعد یہ حضرت حفصہ ام المومنین

رضی اللہ عنہما کے سپرد کر دیا گیا کہ آپ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں زیادہ پڑھی لکھی تھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب لہجوں کا کچھ اختلاف سامنے آیا تو آپ نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے یہی نسخہ منگوا کر اس کی سات نقلیں تیار کرائیں اور سلطنت اسلامیہ کے مختلف مراکز میں بھجوادی گئیں تا کہ کسی اختلاف کی صورت میں ان سے مقابلہ کر لیا جائے اور اختلاف دور ہو جائے، اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا ایک مقدس اور اہم فریضہ انجام دیا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں لہجات کی وجہ سے افتراق کے خطروں سے بھی محفوظ ہو گیا۔

قاریٔ قرآن جب قرآن مجید کا کوئی نسخہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی تلاوت کرتا ہے تو اُس کا ذہن عموماً اس احسان کو محسوس کرنے لگتا ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات سے اُس تک پہنچا ہے، جمع و تدوین کا یہ تذکرہ عقیدت مندی اور احسان شناسی کی اسی مہکار سے معطر ہے جو خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے احساس ذمہ داری کی وجہ سے ملت کو نصیب ہوا ہے۔ یقیناً صدق دل سے ادا کی گئی ہر خدمت ابدی ہوتی ہے اور ہر دور میں عنبر فشاں رہتی ہے۔ قرآن مجید کو تو محفوظ ہونا ہی تھا کہ اس کا ذمہ خود خالق کائنات لے چکا تھا مگر اس حفاظت میں جو جو بھی شریک رہا وہ محسن ملت ہے اور لائق احترام ہے۔

خیر و برکت والا گھرانہ

مسجد نبوی کی تعمیر اور قرآن مجید کی تدوین تو نمایاں اعمال تھے جن کا اعتراف ہر صاحب شعور انسان کو ہر دور میں رہا، ان کے علاوہ کچھ برکات وہ بھی تھیں جن کے اثرات امت کے لئے ہمیشہ ہی سکون و راحت کا وسیلہ بنتے رہے، ان برکات کا ذکر احادیث کی کتب میں موجود ہے مثلاً۔

تیمّم کی آیت کا نزول

روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف لوٹ رہے تھے کہ راستے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا، حکم دیا گیا تلاش کیا جائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈھونڈنے لگے تاخیر ہو گئی اور نماز کا وقت آ گیا، صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پانی کی عدم دستیابی کی شکایت کی تو

﴿ فَنَزَلَتْ اٰیَةُ التَّیَمُّمِ قَالَ اُسَیْدُ بْنُ حُضَیر (رَضِیَ اللهُ عَنْهُ) جَزَاکِ اللهُ خَیْراً فَوَاللهِ مَانَزَلَ بِکِ اَمْرٌ قَطُّ اِلَّا جَعَلَ اللهُ لَکِ فِیْهِ مَخْرَجًا وَّجَعَلَ لِلْمُسْلِمِیْنَ فِیْهِ بَرَکَةً ﴾

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب فضل عائشہؓ)

ترجمہ: ''پس آیت تیمم نازل ہوئی، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، آپ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ بہتر جزا عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ کی قسم آپ کو کبھی بھی کوئی معاملہ پیش نہیں آیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کوئی حل ضرور نکال دیا اور اس میں مسلمانوں کے لئے برکت عطا فرما دی''

آیت تیمم جب بھی پڑھی جاتی ہے یا جب بھی پانی موجود نہیں ہوتا اور تیمم کرنا پڑتا ہے تو باشعور اور اطاعت شعار مسلمان آل ابی بکر رضی اللہ عنہم کے فیوض و برکات کے سامنے سراپا سپاس گزار ہوتا ہے۔

تنعیم کا میقات قرار دیا جانا

حج یا عمرہ کے ارادے سے جب کوئی انسان مسجد حرام میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس پر لازم ٹھہرتا ہے کہ وہ اُن مقرر مقامات سے احرام باندھے جن کو میقات کہا

جاتا ہے، یہ میقات نبی اکرم ﷺ نے خود مقرر فرمادیئے تھے اور تمام اطراف کے زائرین کے لئے اُن کی سہولت کی خاطر اُنہی راستوں پر مقرر کئے تھے جن پر وہ سفر کرتے تھے، یہ سب میقات حرم سے فاصلوں پر تھے تاکہ دور سے ہی احرام باندھ لیا جائے اور راستے لبیک کی صداؤں سے مہکنے لگیں، حجۃ الوداع کے سفر میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تمام ہم سفر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مقرر میقات سے احرام باندھے، مدینہ منورہ سے آنے والوں نے بئر علی سے احرام باندھا، اس سفر میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے بعض شامل تھیں. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ راستے میں ہی تھے کہ مجھے ماہواری شروع ہوگئی اور یہ عرفہ کے دن تک جاری رہی، اس سفر میں بعض شرکاء نے حج کا احرام باندھا تھا اور بعض نے عمرہ کا تاکہ حج میں تمتع ہوجائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرے کا احرام باندھا تھا، ماہواری کے شروع ہونے کی بنا پر رسول اکرم ﷺ نے آپ کو سر کھولنے اور بالوں کو درست کرنے کا کہا اور فرمایا عمرہ چھوڑ دو اور حج کا احرام باندھ لو، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حج مکمل ہوا (ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حج کے تمام مناسک سوائے طواف کعبہ کے انجام دیئے جائیں۔ جامع الترمذی ابواب الحج باب ماجاء ماتقضی الحائض من المناسک سنن ابن ماجہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ یعنی حیض کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے ہر بنت آدم علیہ السلام پر مقرر کیا ہے اس لئے سب مناسک ادا کرو سوائے اس کے کہ کعبہ کا طواف نہ کرو۔ سنن ابن ماجہ ابواب لمناسک باب الحائض تقضی المناسک الا الطواف) حج کے بعد جب ماہواری کے ایام پورے ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آپ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہا کے ساتھ تنعیم بھیجا کہ وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ لیں (صحیح مسلم کتاب الحج باب صحۃ احرام النساء)

ایسا ہی امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

(کتاب المناسک باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف بالبیت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے اس اجازت نے بعد کے زائرین کے لئے برکات کا ایسا دروازہ کھول دیا کہ آج تک زائرین اس اجازت کی برکات سے متمتع ہو رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس گھرانے پر ہر لمحہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی نظر رحمت و شفقت تھی، کہا جاتا ہے کہ جب ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور لشکر اسلام فاتحانہ داخل ہوا تو نبی رحمت ﷺ قصواء اونٹنی پر سوار تھے اور ساتھ ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سوار تھے، مکہ والوں نے محسوس تو کیا ہوگا کہ جب مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کا سفر ہوا تھا تو اُس وقت ''ثانی اثنین'' کا مقام بلند بھی انہی کو حاصل تھا اور اب لوٹ کر آئے ہیں تو یہ شرف مصاحبت پھر اُسی وجود کو حاصل ہے، اللہ اللہ کس قدر قرب و منزلت حاصل تھی رفیق سفر اور یار غار کو۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ''ابو قحافہ عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں ہی تھے آپ نے چاہا کہ والد محترم کو آج شرف صحابیت نصیب ہو جائے، نابینا تھے اس لئے ہاتھ تھام کر لائے اور دبار رحمت میں حاضر کر دیا۔ اس پر رحیم و کریم نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر اگر ابو قحافہ کو گھر پر ہی رہنے دیتے تو ہم خود ان کے پاس جاتے، یہ تعلقات کی نوعیت بتا رہی تھی کہ سب کچھ اس لئے کہا جا رہا ہے کہ اس گھر کے افراد کی حرمت قائم رہے راوی کہتا ہے کہ یہ سب ''مکرمة لابی بکر'' یعنی حضرت ابوبکر کی تکریم کے اظہار کے لئے تھا۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ)

مماثلت کردار

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی اُس منزلت کا جو سورہ النور کی آیات میں کتاب ہدایت کا حصہ بنی، سے قبل ہم عصر افراد کی اُس رائے کا ذکر مناسب ہوگا جو سیرت رسول اکرم ﷺ اور کردار ابی بکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایات میں موجود ہے۔

نبی اکرم ﷺ جب جبرئیل امین علیہ السلام سے پیغام حق کی نوید سُن کر غار حراء سے واپس آئے تو احساس ذمہ داری اور علو منزلت کی بنا پر جسم پر کپکپی تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب اس کا سبب دریافت کیا تو نبی اکرم ﷺ نے غار حراء میں پیش آمدہ سارا واقعہ سنایا، طبیعت میں قدرے اضطراب محسوس کرتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلی دی اور کردار و سیرت کے چند نمایاں پہلوؤں کا حوالہ دیا کہ اس کردار کا حامل کبھی بے توفیق نہیں ہوتا، کردار کے جن پہلوؤں کا ذکر کیا گیا وہ یہ تھے:۔

﴿كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِئُ الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ﴾ (صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی)

ترجمہ: ''ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی کم تر نہ ہونے دے گا، بے شک آپ ہی تو ہیں کہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، لوگوں کی مشکلات کے بوجھ اٹھا لیتے ہیں اور تنگ دستوں کے لئے کما لیتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ کی مصیبتوں پر مددگار بنتے ہیں''۔

کہا جا سکتا ہے کہ نبی رحمت ﷺ کے اعلان نبوت سے قبل کردار کا ایک مختصر

مگر جامع تبصرہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے سیرت نگاروں کو دستیاب ہوگیا جس پر سیرت رسول اللہ ﷺ کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوسکتی ہے۔

کردار سیرت کا ایک ایسا ہی تذکرہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے، مکہ مکرمہ کی فضا جب اتنی معاند ہوگئی کہ ہجرت کی اجازت ملنے لگی تو ایک لمحہ ایسا آیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بادل نخواستہ اس گھٹن سے کنارہ کش ہونے کا فیصلہ کرلیا، اس کے لئے آپ کو دربار رسالت سے اجازت بھی مرحمت ہوچکی تھی، روانہ ہوگئے، مکہ مکرمہ سے ایک یا دو روز کے فاصلہ تک گئے تھے کہ بنو کنانہ کا ایک سردار ابن الدُّغنَة ملا پوچھنے لگا: کہاں کا ارادہ ہے، جواب دیا، قوم نے نکال دیا، بہت دکھ دیا اور مکہ مکرمہ کی سرزمین مجھ پر تنگ کردی، کہنے لگا، ایسا کیوں؟ اس پر ابن الدُّغنَة نے آپ کے رُخ کردار کے چند پہلوؤں کا ذکر کیا، کہنے لگا:

﴿فَوَاللهِ اِنَّکَ لَتَزِیْنُ الْعَشِیْرَةَ، وَتُعِیْنُ عَلَی النَّوَائِبِ وَتَفْعَلُ الْمَعْرُوْفَ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ﴾

(سیرت النبی ﷺ، ابن ہشام الجزء الاول ص:۳۹۵)

ترجمہ: ''اللہ کی قسم آپ تو خاندان کو زینت بخشنے والے ہیں، مصائب پر مدد کرنے والے ہیں، نیکی کرنے والے اور تنگ دستوں کے لئے کمانے والے ہیں''۔

کردار و سیرت کی ان دونوں اسناد پر توجہ دیں تو قرب کردار کے کئی پہلو روشن ہوجاتے ہیں اور یوں احساس ہوتا ہے کہ یا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کرداری خمیر ہی رسول اللہ ﷺ کے کرداری سانچے میں ڈھلا ہوا تھا یا یہ

کہ قرب کی منزل نصیب ہوتے ہی آپ نے نبوی کردار کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور قدم قدم اتباع کا وطیرہ اپنا لیا تھا، کوئی صورت ہو، قرب کردار و سیرت کا یہ روشن تر پہلو ہے جو آپ کو نصیب ہو گیا تھا۔

عظمت کردار کا ایک روشن حوالہ

رسول کریم ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی جبکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی، یہ رفاقت ایک عرصہ تک جاری رہی مگر مکہ مکرمہ کے قیام کے آخری ایام تھے کہ سفر معراج سے قبل آپ کا انتقال ہو گیا، کاشانۂ نبوت میں پرورش اولاد کے لئے اور رسول اللہ ﷺ کے گھر کو آباد کرنے کے لئے بعض قریبیوں کے اصرار پر نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تھا اگرچہ رخصتی مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں یہ امتیاز حاصل ہوا کہ آپ کنواری تھیں جس وقت آپ کا نکاح رسول اکرم ﷺ سے ہوا جبکہ باقی تمام ازواج بیوہ تھیں یا مطلقہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بھی بہت کم تھی، ابن ہشام نے تو دس سال تک لکھا ہے (سیرت النبی ﷺ ابن ہشام الجزء الرابع: ۳۲۱، ۳۲۲) اگرچہ بعض دقیق بین حضرات نے اس سے زیادہ بھی ثابت کیا ہے۔ نوعمری کی وجہ سے آپ نے حساس دل کے ساتھ قرب رسول ﷺ میں رہ کر وہ مشاہدات کیئے جو دوسرے نہ کر سکے اس لئے خانگی زندگی کے حوالے سے آپ کی روایات کی کثرت بھی ہے اور ان میں مشاہدہ کا اجلا پن بھی۔ آپ کی کتاب زندگی کا ایک واقعہ تاریخ و سیر کا اہم حصہ بنا، اس پر معاند نظریں بھی اٹھیں اور احترام و تعظیم سے

معمور نگاہیں بھی۔ آیئے اس واقعہ کی روداد آپ ہی کی زبانی سنتے ہیں واقعہ افک کی یہ روایت اکثر کتب حدیث وسیرت نے نقل کی ہے جو بعض الفاظ وکلمات کے تفاوت کے باوجود ایک ہی نوعیت کی ہیں، صحیح البخاری کی روایت کے چند حصے نقل کئے جا رہے ہیں۔

غزوہ بنی المصطلق کے لئے حسب روایت قرعہ اندازی ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نکلا، اس لئے آپ اس غزوہ میں ساتھ رہیں، واپسی کا اعلان ہوا تو آپ رفع حاجت کے لئے لشکر سے باہر نکلیں، واپس آئیں تو محسوس ہوا ہار کہیں گر گیا اس لئے تلاش میں نکلیں، رات کا پچھلا پہر تھا، تاخیر ہوگئی اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ خود فرماتی ہیں کہ آپ ہودج میں سفر کرتی تھیں، سفر پر روانہ ہونے سے پہلے آپ ہودج میں بیٹھ جاتیں اور ہودج اٹھانے پر مامور لوگ اسے اٹھا لے جاتے یہ بھی فرمایا کہ اس دور کی عورتیں فربہ نہ ہوتیں تھیں اور اپنے بارے میں فرماتی ہیں "کُنْتُ جَارِیَۃً حَدِیْثَۃَ السِّنِّ" "میں تو نوعمر لڑکی تھی" اس لئے وزن کی کمی کا ہودج اٹھانے والوں کو احساس تک نہ ہوا، جب آپ ہار کی تلاش سے واپس آئیں تو حیران ہوئیں کہ لشکر جا چکا تھا مگر یہ سوچ کر کہ جب اگلی منزل پر ٹھہرنے پر مجھ کو نہ پائیں گے تو واپس آئیں گے، اس انتظار میں لیٹ گئیں، آنکھ لگ گئی، اتنے میں صفوان بن المعطل السلمی رضی اللہ عنہ جو لشکر کے پیچھے اس لئے رہتے تھے کہ کہیں اندھیرے میں کسی قسم کا سامان رہ نہ گیا ہو، وہ آ گئے، آپ کو دیکھا تو حیرت سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے لگے اس آواز پر آپ بیدار ہو گئیں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اونٹ قریب کیا اور آپ کو اس پر بیٹھا لیا تھوڑا ہی چلے تھے کہ لشکر سے جا ملے۔ یہ ایک عام سا واقعہ تھا مگر جو لوگ سطوت اسلام کو محسوس کر کے نبرد آزمائی کے لئے جرأت نہ پاتے تھے وہ دلوں میں کسی سازش کا غم پال رہے تھے، یہ بدفطرتی ہے کہ جب مدمقابل نہ آسکو تو ریشہ دوانیاں

کرو، سازش کا نقاب اوڑھ لو، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے یہ موقعہ غنیمت جانا اور سرگوشیاں کرنے لگا کہ یہ واقعہ ارادۃً ہوا ہے اور اس میں کردار کا جھول محسوس ہوتا ہے، یہ بات آہستہ آہستہ پھیلتی گئی اور بدقسمتی سے بعض مخلص مسلمان بھی اس سازش کی زد میں آ گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کو اس الزام تراشی کی کوئی خبر نہ تھی، آپ علیل تھیں اس لئے اجازت لے کر اپنی والدہ کے پاس چلی گئیں تھیں، فرماتی ہیں کہ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے پہلی سی مانوسیت نہ تھی، آپ ﷺ تشریف بھی لاتے تو مجھ سے گفتگو نہ فرماتے ہاں گھر والوں سے پوچھ لیتے ''کیف تیکم'' (وہ کیسی ہیں) ان ایام میں جبکہ مدینہ منورہ کی فضا میں اس سازش کا زہر منافقین کی زبانوں سے اُگل رہا تھا، نبی اکرم ﷺ نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانب سے کسی دفاعی نوعیت کا کوئی قول یا فعل سرزد ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی کہ ان دنوں ہی میں آپ اپنی ایک محترم عزیزہ ام مسطح رضی اللہ عنہا کے ساتھ رفع حاجت کو گئی ہوئی تھیں کہ ام مسطح رضی اللہ عنہا کا پاؤں چادر میں الجھ گیا اور وہ لڑکھڑا گئیں، اس کیفیت میں تھیں کہ ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا ''تَعِسَ مِسْطَحٌ مسطح ہلاک ہوا'' فرماتی ہیں کہ میں حیران ہوگئی کہ ایک ماں کے منہ سے اپنے بیٹے کے لئے جو اصحاب بدر میں سے تھا، یہ جملہ کیوں نکلا، سوال پر حقیقت حال معلوم ہوگئی۔ اس پر آپ شدت غم سے نڈھال ہوگئیں، ایک روز رسول ﷺ تشریف لائے آپ کے والد گرامی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے ہیں، قریب آ بیٹھے، نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: عائشہ تمہیں خبر پہنچی ہوگی تو اگر تو پاکدامن ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور تیری پاکدامنی کا ارشاد فرمائے گا اور اگر کوئی کوتاہی

ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرلو کہ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے، ان ارشادات سے غم کی شدت اور گھمبیر ہوگئی اور آپ نے بے چینی سے اپنے والدِ گرامی کی طرف دیکھا اور عرض کیا وہ جواب دیں (یعنی پاکدامنی کی شہادت دیں) مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب تھا:

﴿مَاأَدْرِیْ مَاأَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ﴾

ترجمہ: ''میں نہیں سمجھتا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کیا کہوں''۔

سچی بات ہے ایک ہمہ طاہر وجود جب اپنی طاہرہ بیٹی کے بارے میں اس قسم کے کلمات سنے تو وہ کیا کہہ سکتا ہے جب کہ کہنا بھی اُس وجودِ مکرم ﷺ کے سامنے ہو جن کی محبت اور جن سے آپ کا تعلق اولاد سے کہیں بڑھ کر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خاموش [illegible] سے دو [illegible] عرض کیا [illegible] وہاں بھی یہی جواب تھا کہ میں نہیں جانتی میں رسول اللہ ﷺ کو کیا کہوں''۔

یہ اس واقعہ کا نقطۂ انتہا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے یقین تھا کہ میرا پروردگار میری برأت کا ضرور اظہار فرمائے گا، خیال تھا کہ اصل صورت حال رسول اللہ ﷺ کو کسی طرح جیسے خواب کے ذریعے ضرور دکھا دی جائے گی، حالات کا گھیرا روح فرسا تھا، ام المومنین رضی اللہ عنہا پر ہر لمحہ قیامت کا لمحہ تھا کہ ایسے پاک وجود پر منافقت کی چال چل گئی تھی، مدینہ منورہ میں ایک بے کیفی کا سماں تھا، چند افراد کے سوا سب کی زبانیں خاموش تھیں کہ وہ کسی واضح اعلان کا انتظار کر رہی تھیں۔

سوچئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے لئے یہ کس قدر مشکل وقت تھا، ہونہار اور پاکدامن بیٹی کا دفاع ہر صاحب غیرت باپ کا منصب ہوتا ہے،

ذرا دنیا کے عمومی ماحول کا جائزہ لیجئے کیا اس قسم کے الزامات سے خاندانوں میں تصادم نہیں ہوتا؟ کیا سسرال کے ہاں بیٹی پر انگلی اٹھ جائے تو ماں باپ، بہن بھائیوں کا رد عمل کیسا ہوتا ہے؟ یہ سب کچھ عام حالات میں قرین قیاس تھا مگر یہاں تو مہربان باپ کو اپنی پاک وخوب صورت وسیرت بیٹی کا دفاع ہی نہیں کرنا تھا بلکہ اپنی اُس رفاقت اور ہمہ تن ایثار کا اظہار بھی کرنا تھا جو اُن کو رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات سے تھی، سچی بات یہ ہے کہ اس قدر روح فرسا آزمائش سے استقامت صدیق رضی اللہ عنہ ہی عہدہ برآ ہو سکتی تھی، حالات ناسازگار بھی تھے، غیرت مہمیز بھی لگا رہی تھی، شفقت پدری میں ہیجان بھی تھا مگر رازدار نبوت ایک ایسی تاریخ رقم کر رہا تھا جو تاریخ عزیمت کا روشن باب تھی، نہ زبان پہلے کبھی کھولی تھی نہ اب وا ہوئی تھی کہ رضاء محبوب کے لئے سب کچھ قربان کر دینے والے اسی استقامت کا ثبوت دیتے ہیں، یہ خاموشی اور یہ سپر اندازی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کردار کی عظمت کا وہ حوالہ ہے جس کی قندیل نور تا ابد راہ وفا کے مسافروں کو روشنی مہیا کرتی رہے گا، صداقت جب رفاقت کی اس بلندی پر آ جاتی ہے تو قدم قدم انعام و اکرام کی حقدار ہوتی ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، صدمہ اس قدر شدید تھا کہ جب اس کی خبر ام رومان رضی اللہ عنہا کو ملی تو ''خَرَّتْ مَغْشِيًا عَلَيْهَا'' تو وہ اُس پر بے ہوش ہو کر گر پڑیں، ہوش وحواس پر شب خون مارنے والے واقعہ کی انتہا یوں ہوئی کہ قرآن مجید کی ابدی آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کی شہادت بن کر نازل ہوئیں، رسول اکرم ﷺ نے جب ان آیات کے نزول کا ذکر فرمایا تو ام رومان رضی اللہ عنہا جذبات کے خروش میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمانے لگیں:۔

﴿قُومِیْ اِلَیْہِ قَالَتْ قُلْتُ وَاللہِ لَا اَقُوْمُ اِلَیْہِ وَلَا اَحْمَدُ اِلَّا اللہَ﴾

ترجمہ: ''اٹھو رسول اللہ ﷺ کی جانب (یعنی اٹھ کر شکر بجالاؤ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا اللہ کی قسم میں ان کی جانب نہ اٹھوں گی اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی حمد نہ کروں گی''

یہ اُس دُکھ کا اظہار تھا کہ ایسی پاک نسبت کے باوجود وہ ایک ماہ اس کرب سے کیوں گزری ہیں، یہ تو اللہ کا فرمان تھا جس نے برأت کا اعلان بھی کیا اور طہارت و پاکیزگی کی سند بھی عطا کی۔ قرآن مجید کا اعلان کیا تھا، سورہ النور کی مسلسل دس آیات (گیارہ تا بیس) اس کی وضاحت فرما رہی ہیں ارشاد ہوا:۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْہُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ لِکُلِّ امْرِیءٍ مِّنْھُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ (النور:۱۱)

ترجمہ: ''بے شک جو بہتان لائے وہ تم میں سے ہی ایک گروہ ہے، تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو بلکہ یہ تو تمہارے لئے خیر ہے، ان (بہتان لگانے والوں) میں سے ہر شخص کو اتنا گناہ ہے جو اُس نے کمایا ہے اور جس نے اُن میں سے بڑا گناہ کمایا اُس کے لئے بہت بڑا عذاب ہے''۔

ارشاد ربانی نے الزام تراشی کا سارا تار پود ہی بکھیر دیا، کہا یہ افک ہے یعنی بہتان ہے، خلاف واقع ہے اور کذب بیانی ہے اور یہ کہ یہ سب کچھ ایک گروہ کا کیا دھرا ہے، ایسا گروہ جو مومنوں کی صفوں میں گھسا ہوا ہے۔ واضح کر دیا کہ یہ منافقین کی

چال ہے جو ملت اسلامیہ کے اخلاقی حصار میں دراڑ ڈالنا چاہتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ سازش اُس رفاقت کے خلاف تیار کی گئی تھی جو خاندان نبوت اور خاندان صدیقی کے درمیان قائم تھی اور جسے خوف و ہراس کی کوئی شکل اور انعام و لالچ کی کوئی صورت مضطرب نہ کر سکی تھی، حیرت ہے کہ دشمنی میں انسان کس قدر پست ہو جاتا ہے، اس آیت کریمہ میں ایک تسلی بھی ہے کہ اگرچہ بظاہر یہ برا منظر تھا، شرات کی گئی تھی مگر اسے ہرگز شر نہ سمجھا جائے بلکہ یہ تو سراپا خیر کا مظہر ہوا، چند دنوں کا کرب دائمی راحت کا سامان بنا۔ چند لوگوں کی بدکلامی کا اجر یہ ملا کہ قیامت تک ہر صاحب ایمان خاندانِ ابی بکر رضی اللہ عنہ کی عصمت و طہارت کا ورد کرتا رہے گا، اس میں کچھ لوگ نادانستہ گرفتار ہو گئے تھے اُن کے لئے فیصلہ یہ ہوا کہ برائی کے مطابق سزا ہو گی مگر جو اس سازش کا سرغنہ تھا اُس کو عذاب عظیم کی وعید سنائی گئی، آیت کریمہ کا حرف حرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حرمت پر شاہد ہے اور بارگاہ ایزدی کا یہ اکرام ہر تسلی سے بالاتر ہے مزید ارشاد ہوا:

﴿لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ (النور:۱۲)

ترجمہ : "کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ سن لیا تو مومن مرد ہوں یا مومن عورتیں انہوں نے اپنوں کے بارے میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ تو کھلا بہتان ہے"۔

بڑی صراحت سے بیان کر دیا گیا کہ ایسی خبر سن کر سب کا ردعمل یہ کیوں نہیں ہوا کہ یہ بہتان ہے، جھوٹ ہے، قدرت کا فیصلہ یہ ہے کہ اس پر کسی تفتیش کسی محاسبے یا کسی قسم کی دلیل کی ضرورت نہ تھی ایسے پاکدامن وجود کا اپنا وجود ہی برہان تھا کہ

یہاں سے برائی کسی صورت نمودار نہیں ہوسکتی، ایک الزام تھا اُسے رد کرنا تھا مگر فیصلہ یہ دے دیا گیا کہ ہمہ طاہر وجودوں پر شک کی نظر مناسب نہیں ہے، یہ تو ہمہ جہت پاکدامنی کا اعلان ہے جو خاندان صدیقی کے لئے ایک انتہائی قیمتی انعام ہے۔ پھر چند احکام اور تنبیہات کے بعد دوبارہ اسی اعلان کا اعادہ ہوا اور ہر قسم کے ابہام کو دور کر دیا گیا، ارشاد ہوا:

﴿وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّايَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾ (النور:۱۶)

ترجمہ :''اور کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ سنا تو کہا کہ ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ہم اس کا ذکر کریں، اے اللہ تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے''۔

پہلے فرمایا گیا کہ مومنوں پر لازم تھا کہ گمان رکھتے اور بلا توقف پکار اٹھتے کہ یہ بلا شک وشبہ ایک بہتان ہے، اس آیت کریمہ میں مزید متنبہ کیا گیا کہ اس الزام کے بارے میں کسی قسم کی گفتگو بھی مناسب نہ تھی بلکہ کہنا یہ چاہیے تھا کہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے، برأت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ثابت کی جا رہی ہے مگر پاکی پروردگار کی بیان ہو رہی ہے۔ معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے یہ مقبول نفوس، پاکیزگی کے حصار میں ہوتے ہیں کہ ذات سبحان ان کی نگران ہے سورہ النور کی ان دس آیات کا اساسی پیغام یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پاکدامن ہیں ان پر الزام منافقین کی سازش ہے۔ مسلمانوں کو بہر حال اس طیبہ و طاہرہ کے بارے میں نہ بدگمان ہونا چاہئے تھا اور ان کے کسی قول سے اس قلب طاہر کو کوئی دکھ پہنچنا چاہئے تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت وطہارت کا اس اہتمام سے تذکرہ پورے خاندان کے لئے باعث اعزاز ہے کہ کس طرح ایک ذات کی حفاظت کے لئے مسلسل دس آیات کا نزول ہوا، اسی واقعہ سے متصل ایک اور فرمان بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کردار وسیرت کا زریں حوالہ بنا، ذرا اس کی تفصیل سنئے۔

حفاظت کردار کا انوکھا اہتمام

روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے مال سے بعض افراد کی کفالت کرتے تھے، ان افراد میں مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کا گھرانہ بھی تھا، مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں، اس لئے یہ سلوک اس خاندان کے ساتھ حسن معاشرت کا آئینہ دار بھی تھا، بدقسمتی یہ ہوئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے میں جو نیک دل لوگ بھی کسی بہلاوے کی وجہ سے شریک ہو گئے تھے، ان میں مسطح رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب یہ غبار چھٹ گیا، فضا میں آسودگی نمودار ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مسطح رضی اللہ عنہ کے کردار پر غصہ آیا اور آپ نے قسم کھائی کہ آپ اب مسطح (رضی اللہ عنہ) کی خبر گیری سے ہاتھ اٹھا لیں گے، بظاہر یہ فیصلہ فطری ردعمل تھا کہ اس قدر احسانات کے باوجود اس قدر بے اعتدالی، یہ ایک ذاتی فیصلہ تھا اور فیصلہ کرنے کا ہر انسان کو حق حاصل ہے مگر یہ فیصلہ بہرحال اُس عظمت مقام کے مطابق نہ تھا جو اس ذات گرامی کو خالق کائنات کے حضور حاصل تھی اس لئے اصلاح کر دی گئی، ارشاد ہوا:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (النور: ۲۲)

ترجمہ "اور تم میں سے اہل فضل و وسعت قسم نہ کھائیں اس پر کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں، چاہئے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کر لیں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کر دے، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے"۔

آیات کے کلمات پر غور کریں تو ہر کلمہ رحمت پروردگار کا پیغام ہے، اہل فضل و وسعت ارشاد فرما کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی منزلت اور حقیقت کا تعین فرما دیا گیا۔ پھر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ آپ رشتہ داروں، مساکین اور مہاجرین پر نوازشات کرنے والے تھے، کیا اس اظہار نے حضرت صدیق اکبر کے کردار کے تمام پہلوؤں کو خالق کی پسندیدگی کا مظہر نہیں قرار دیا؟ اوصاف کو یوں پذیرائی بخشی گئی کہ ہر وصف انسانیت کے لئے وجہ افتخار بنا، مقام مدح میں ذکر کر کے بعد اس ہدایت کا بیان ہوا جس سے صیانت کردار کا رخ اور منور ہو گیا، معاف کرنے اور درگزر فرمانے کی نصیحت کی گئی اور یہ بھی فرمایا دیا گیا کیا کہ تم لوگ یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اس لئے کہ وہ مغفرت فرمانے والا رحم کرنے والا ہے۔

اس انداز تخاطب اور طرز کلام سے یہ الم نشرح ہو گیا کہ خالق کائنات اس خاندان پر کس قدر مہربان ہے کہ کسی جذباتی فیصلے کا سایہ بھی اُن کے کردار پر نہیں رہنے دیتا، یہ الطاف کریمانہ کی حد ہے کہ کسی کوتاہی کے سرزد ہونے سے پہلے ہی اُس سے حفاظت فرمائی جائے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کسی ہیجانی کیفیت کو بھی سیرت کی کمزوری نہیں بننے دیتی، اللہ! اللہ! اس قدر اپنے حبیب مکرم ﷺ کے غلاموں کی حفاظت کی جا رہی ہے۔ کسی پر احسان کرنا عمل حسن ہے اور اگر کسی مجبوری یا رکاوٹ کی وجہ سے نہ کیا جائے تو گناہ نہیں اس واقعہ میں بھی گناہ کا شائبہ اور گزر نہ تھا

مگر یہ حسنات الابرار کا معاملہ نہ تھا سیئات المقربین کی منزل تھی کہ ارادہ سے بھی روک لیا گیا، کس قدر پیکر اخلاص یہ وجود تھے کہ حصار رحمت میں رہتے تھے، جب یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سماعتوں تک پہنچی تو صدق وصفا کا پیکر پکار اٹھا:

﴿بَلٰی وَاللّٰہِ یَارَبَّنَا اِنَّا لَنُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَلَنَا﴾

(تفسیر روح المعانی)

ترجمہ: ''کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم اے ہمارے رب ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف کردے''

یہی مومنانہ روش آپ کا امتیاز تھی اسی لئے بلا انقطاع مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کو دی جانے والی امداد بحال کردی تسلیم ورضا کا یہ وہ مقام ہے جو ہر لمحہ خالق کائنات کی رحمت کے حصار میں رہتا ہے۔

بہتر ہوگا ان معروضات کو اطاعت وایثار کے اُس واقعے پر مکمل کردیا جائے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات کا عوامی حوالہ بھی ہے اور قربانیوں کا روشن ترباب بھی۔

ایثار وقربانی کی معراج

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہما اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے:

﴿اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَصَدَّقَ وَوَافَقَ ذٰلِکَ عِنْدِیْ مَالاً فَقَالَ اَلْیَوْمَ اَسْبِقُ اَبَابَکْرٍ اِنْ سَبَقْتُہٗ یَوْمًا قَالَ فَجِئْتُ بِمَالِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ قُلْتُ مِثْلَہٗ وَاَتٰی اَبُوْبَکْرٍ بِکُلِّ مَا عِنْدَہٗ فَقَالَ یَا اَبَابَکْرٍ مَا اَبْقَیْتَ

لِاَھْلِکَ فَقَالَ اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ﴾

(جامع الترمذی باب مناقب ابی بکر صدیقؓ)

ترجمہ :''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم راہ حق میں پیش کریں یعنی مال کا صدقہ کریں، اور اتفاق یہ ہوا کہ میرے پاس مال تھا، میں نے کہا آج اگر سبقت ممکن ہو سکی تو میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ جاؤں گا۔ فرماتے ہیں میں مال لے آیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو، میں نے عرض کیا اتنا ہی، یعنی جتنا مال لایا ہوں اتنا ہی گھر والوں کے لئے چھوڑا ہے یعنی نصف نصف کر دیا ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی اُن کے ہاں تھا سب لے آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے ابو بکر اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا، عرض کیا: اُن کے لئے اللہ اور اُس کا رسول چھوڑ آیا ہوں''۔

ایثار و قربانی کا عمومی مفہوم یہ رہا ہے کہ اپنے مال یا اپنی جائداد میں سے کچھ فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے، اس انفاق کی مقدار جس قدر بھی بڑھ جائے گی اسی قدر بڑا ایثار سمجھا جائے گا، اور اگر یہ مقدار نصف تک چلی جائے تو یہ ممکن حد تک انفاق ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں بھی یہی معیار تھا، اس معیار کی ترتیخ اُن کے تجربے سے بھی ہو چکی تھی، ایثار و قربانی کی جب بھی تاریخ لکھی جائے گی انصار مدینہ کا ایثار سرفہرست ہوگا کہ انہوں نے ہجرت مدینہ کے موقعہ پر مہاجرین کے لئے محبتیں نچھاور کرنے کی ایک بے مثل تاریخ رقم کی تھی، آدھا مال، آدھی جائداد حتیٰ کہ اہل میں بھی

اسی تقسیم کو نافذ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور اس رویے کو مومنانہ رویے کے لئے ایک مثال بنایا گیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں انصار مدینہ نے اس اخلاص ومحبت اور اس ایثار وقربانی کا مظاہرہ کیا تھا اور ہمیشہ کے لئے عظمتیں سمیٹی تھیں، شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی یہی ایثار کا معیار تھا اس لئے آپ اپنا نصف مال لئے حاضر دربار ہوئے تھے یقیناً یہ بہت بڑا کارنامہ تھا اسی لئے تو لب رسالت سے اُن کے لئے دعائیں نکلی تھیں مگر ابھی تو اُس کو آنا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے حکم پر ہی نہیں اشارے پر مال، اولاد حتیٰ کہ اپنے آپ کو قربان کرنے کو ہمہ وقت تیار تھا علامہ اقبال نے اسی لئے کہا تھا کہ

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا ۔۔۔ جس سے بنائے عشق ومحبت ہے استوار

کیسے حاضر ہوئے علامہ ہی سے سنیئے

لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت ۔۔۔ ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار

رسول اکرم ﷺ نے وہی سوال آپ سے بھی کیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہو چکا تھا مگر جواب کیا تھا

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس ۔۔۔ صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

(کلیات اقبال اردو، ص: ۲۵۲)

رضائے رحمت کامل حاصل ہو جائے تو پھر اور کیا چاہیے، سب کچھ قربان کر دینے کا یہ ولولہ لمحاتی نہ تھا، پوری زندگی اس پر شاہد تھی، ہجرت کی رات، گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا تھا؟ وہ اس کا اولین ورق تھا، حیرت ہے کہ ایثار کی یہ عادت صرف آپ کی ذات تک محدود نہ تھی، پورے گھرانے کو یہ توفیق حاصل ہو چکی تھی ہجرت کی رات حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا رویہ، کردار اور اپنے دادا سے گفتگو اسی کردار کی توسیع تھی،

مجمل بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہر رویہ اور ہر عمل، ایثار و قربانی کی معراج بھی ہے اور امت کے لئے جانفشانی اور جاں داوگی کا معیار بھی۔

سفر آخرت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی جذبے اور اسی اخلاص کے ساتھ پوری زندگی گزاری، ہجرت سے قبل سایہ کی طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے اور ہر آنے والا تمہ اپنے وجود پر لے کر دفاع ذات رسالت مآب ﷺ کا فریضہ ادا کرتے رہے، ہجرت کا تو پورا واقعہ آپ اور آپ کے خاندان کے مرد و عورت بلکہ غلاموں تک کی والہانہ عقیدت کا مظہر ہے، مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزارے گئے دس سال، تاریخ رفاقت کے تابناک سال ہیں، ساتھی بھی تھے، راز دار بھی، مشیر بھی تھے اور نائب بھی۔ غرضیکہ ایک ایک لمحہ اس قدر حسین و دلنواز ہے کہ اس کی مہک آج تک قلب مؤمن کے لئے نوید جانفزا ہے، مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو اتباع رسالت کے وہ مظاہر چشم عالم نے دیکھے کہ آج تک چشم بصیرت انہیں سے اپنی بینائی کو پر بہار بنائے ہے، دو سال تین ماہ اور گیارہ دن خلیفہ رہے یہ مختصر دورانیہ انسانیت کی طویل تاریخ میں کس شمار میں آتا اگر اس کو نور صداقت کی تابانی نصیب نہ ہوتی، تاریخ کے دھارے میں تو صدیاں گم ہو جاتی ہیں مگر یہ سوا دو سال، تاریخ کے ہر موڑ پر ضو دیتے رہے اور دیتے رہیں گے، آخر میں وہ لمحہ تقدیر آ گیا جب تاریخ انسانی پر انمٹ نشان ثبت کرنے والا وجود محترم ۲۲ رجمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری کو اپنے خالق حقیقی کے دربار میں حاضر ہو گیا قسمت کی یاوری اور محبت و عقیدت کی پختگی دیکھئے کہ خاک نشیں بھی ہوئے تو اس خاک پاک میں جہاں کا ذرہ ذرہ رشک مہتاب ہے۔ خواہش تھی، دل کی

تڑپ تھی اور ایقانی جذبوں کی پکار تھی کہ روضہ اقدس میں آسودگی کی امید برآئی، سکون حاصل ہوا تو دامن رحمت کے سایوں میں، یہ محبوب کریم ﷺ کی شفقت تھی اور مسلسل قربانیوں کا ثمر تھا کہ قرب کی وہ رفعت نصیب ہوئی جو ایک جاں نثار کے جذبوں کی معراج ہے، ہزاروں سلام ہوں اُس وجود مکرم پر جس نے صداقت، رفاقت، حمائت اور مصاحبت کو اپنے عمل اور رویے سے ایک زندہ تعبیر عطا کی اور آنے والی نسلوں کے لئے اطاعت واتباع کی ایک جاودانی مثال قائم کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی

زندگی بھر راست روی کی ترغیب دینے اور دین قیم پر ثابت قدم رہنے کا معیار قائم کرنے والی ذات کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ مستقبل کے لئے امت مسلمہ کے واسطے راہ عمل کو متعین کرنے کی سعی کرے، آپ نے اس کو اپنا فرض منصبی سمجھا کہ آپ قوم کو بے یقینی کا شکار نہ بننے دیں چنانچہ آپ نے اپنے عمر بھر کے تجربے اور مسلسل نبرد آزمائی کے بعد ایک فیصلہ کیا، اعلان سے قبل بہت سے اکابر سے مشورہ کیا عمومی رائے آپ کے ارادہ سے ہم آہنگ تھی، ہاں ایک خلش ضرور تھی کہ مقرر کیا جانے والا امام اپنے مزاج کے حوالے سے سخت ہے مگر آپ کا جواب آپ کی دانشمندانہ فکر کے مطابق یہ تھا کہ ذمہ داریاں نرم کر دیں گی، یہاں تک کہا گیا کہ آپ اس انتخاب پر اپنے خالق کو کیا جواب دیں گے کہ اس قدر سخت گیر کو جانشین نامزد کرنے لگے ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جواب تھا کہ اگر اس انتخاب پر باز پرس ہوگی تو ضرور عرض کروں گا کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے برتر صلاحیتوں والے کو مقرر کیا تھا، اس سے آپ کی استقامت اور پختہ خیالی عیاں ہے۔ یہ فیصلہ کسی ذاتی خواہش یا مفاد میں نہ تھا، روایات کے اشارے، حالات کے تقاضے اور مستقبل کے مسائل آپ کے پیش نظر

تھے، تاریخ گواہ ہے کہ یہ فیصلہ کس خلوص سے کیا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں اس طرح اس اعتماد پر پورے اُترے کہ آپ کے کارنامے آج بھی تاریخ عالم کا روشن باب ہیں اور انہی کارہائے نمایاں سے دورِ زوال میں بھی امت شکستہ پا کے حوصلے بلند رہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

مناسب ہوگا کہ اس گفتگو کی تکمیل حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اُن اشعار کے ساتھ کی جائے جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کردار کی عظمت کا بھی اظہار ہے اور رسول اللہ ﷺ کے قرب کا بھی حوالہ ہے، اور سب سے بڑا اعزاز اس مدحیہ قلعہ کو یہ بھی حاصل ہے کہ نبی اکرم ﷺ اُن لوگوں کو متنبہ کر رہے تھے جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات کے بارے میں چند ناپسندیدہ کلمات کہے تھے اور اس طرح آپ کی منزلت اور مرتبہ کا اظہار فرما رہے تھے۔ اسی گفتگو کے دوران نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی جانب التفات فرمایا، ارشاد ہوا:

''هَاتِ مَاقُلْتَ فِيَّ وَفِيْ أَبِيْ بَكْرٍ'' فرمایا جو تم نے میرے اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں کہا پیش کرو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا

یارسول اللہ ﷺ میں پیش کرتا ہوں اور پھر یہ اشعار پڑھے۔

إِذَا تَذَكَّرْتَ شَجْوًا مِنْ أَخِيْ ثِقَةٍ   فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَابَكْرٍ بِمَا فَعَلَا

اَلتَّالِيَ الثَّانِيَ الْمَحْمُوْدَ مَشْهَدُهُ   وَ أَوَّلَ النَّاسِ طُرًّا صَدَّقَ الرُّسُلَا

وَالثَّانِيَ اثْنَيْنِ فِي الْغَارِ الْمُنِيْفِ وَقَدْ   طَافَ الْعَدُوُّ بِهِ إِذْ صَعَّدَ الْجَبَلَا

وَكَانَ حِبَّ رَسُوْلِ اللهِ قَدْ عَلِمُوْا   مِنَ الْبَرِيَّةِ لَمْ يَعْدِلْ بِهِ رَجُلَا

خَيْرُ الْبَرِيَّةِ أَتْقَاهَا وَأَرْأَفُهَا   بَعْدَ النَّبِيِّ وَأَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا

عَاشَ حَمِيْدًا لِأَمْرِ اللهِ مُتَّبِعًا   بِهَدْيِ صَاحِبِهِ الْمَاضِيْ وَمَا انْتَقَلَا

فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقْتَ يَاحَسَّانُ، دَعُوالِى صاحبى، قالها ثلاثاً

(دیوان حسان بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ دار بیروت ۱۳۹۴ھ ص ۱۷۴)

☆ حضرت حسان رضی اللہ عنہ قاری یا سامع کو مخاطب کر رہے ہیں، فرماتے ہیں، جب بھی تو کسی لائق اعتماد کے دکھوں کا ذکر کرے تو اپنے بھائی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو اُن کارناموں کی بنیاد پر جوانہوں نے انجام دیئے ضرور یاد کرو۔

☆ آپ بعد میں آنے والے، ثانی بننے والے ہیں کہ آپ کا مقام لائق تعریف ہے اور آپ نے تمام لوگوں سے پہلے رسولوں کی تصدیق کی۔

☆ آپ دو میں سے دوسرے تھے اُس بلند تر غار میں اور جب آپ اُس پہاڑ (یعنی جبل ثور) پر چڑھے تھے تو اُس وقت دشمن اُس پہاڑ کے گرد چکر لگا رہے تھے۔

☆ آپ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے اور وہ سب یہ جان چکے تھے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی آپ کی برابری والا نہیں ہے۔

☆ آپ تمام مخلوقات سے بہتر ہیں آپ نبی ﷺ کے بعد سب سے زیادہ تقویٰ شعار، سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے والے ہیں۔

☆ آپ نے لائق تعریف زندگی گزاری، آپ اپنے ماضی کے ساتھی یعنی نبی اکرم ﷺ کی ہدایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے والے تھے اور پھر آپ نے اس اطاعت پر استقامت دکھائی کہ کبھی اس سے روگرداں نہ ہوئے۔

یہ اشعار سن کر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے حسان تو نے سچ کہا ہے،

میرے دوست کے لئے میری خاطر کلمہ خیر کہتے رہو۔ آپ ﷺ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ اس محبت سے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان اوصاف کی تصدیق فرما کر ان کو ہمیشہ کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے سرافرازی کی دستاویز بنا دیا، صداقت رسول ﷺ کی تصدیق میں اول، غار ثور میں ثانی اثنین کے لقب کے حق دار، تقویٰ شعاری اور نرم دلی میں سب سے بڑھ کر احساس ذمہ داری کے حامل اور جو منصب دیا جائے اُسے نبھانے والے، غرضیکہ اتباع رسالت اور اطاعت الٰہی میں ہمہ وقت مستعد اور مستقل کاربند رہنے والے تھے، مدحیہ اشعار کو سننے کی خواہش کا اظہار فرما کر رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمادیا کہ آپ ﷺ کو مدح ابی بکر رضی اللہ عنہ پسند ہے اور سننے کے بعد مشمولات شعر کی تصدیق فرما کر ان زبانوں کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جو کبھی اور کسی بہانے سرگوشیاں کرتے یا زیر لب طعنہ زن رہتے۔

الغرض سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وجود آپ کے متعلقات اور آپ کے اوصاف سب کے سب اُسی وجود مکرم ﷺ کی پناہ میں ہیں جن کی زبان پر حق ہوتا ہے اور جو وحی کے بغیر زبان نہیں کھولتے۔

اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ کے اس محبوب کریم کی بارگاہ میں نیازمند رہنے کی توفیق عطا فرمائے کہ اسی میں خوشنودی رسول ﷺ ہے اور اسی میں رضاء الٰہی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ